42

ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

10 نومبر 2004ء — 26 رمضان المبارک 1425ھ

www.tanzeem.org

اس شمارے میں

حل ناگزیر ہے!

روزے کا اصل حاصل

کشمیر فارمولا اور قومی سلامتی

اسباب تحریک ریشمی رومال

مسئلہ کشمیر پر ایک تاریخی دستاویز

ہائے اس قوم کے اعصاب پر عورت سوار ہے!

جہادی تحریک: محاذِ جنگ پر (3)

منزل ہے کہاں تیری.....؟

سحری و افطار کیسے کریں؟

روزہ اور اکلِ حلال

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ ..... الیٰ آخر الایۃ

''اور ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ اس کو (رشوۃً) حاکموں کے پاس پہنچاؤ تاکہ لوگوں کے مال کا کچھ حصہ ناجائز طور پر کھا جاؤ اور (اسے) تم جانتے بھی ہو''۔

سورہ البقرہ کے 23 ویں رکوع (جس میں روزہ کی فرضیت اور اس سے متعلق احکام بیان ہوئے ہیں) کی آخری آیت کا بظاہر رمضان کے روزوں سے تعلق معلوم نہیں ہوتا۔ لیکن حقیقت میں بہت گہرا تعلق ہے۔ اس رکوع میں دو مقامات پر بڑے شد و مد سے روزوں کی غایت ''تقویٰ'' بیان فرمائی گئی ہے۔ سوچنا پڑے گا کہ اس تقویٰ کا ''معیار'' کیا ہے؟ اور اس کا عملی ظہور کس طور سے ہوگا!

کیا تقویٰ کا تعلق کسی خاص قسم کی وضع قطع یا شکل وصورت کا نام ہے؟

جس طرح روزہ دن کے اوقات میں محض بھوکا رہنے یا تعلقات زن وشو سے رک جانے کا نام نہیں۔ اسی طرح تقویٰ محض چند ظواہر کا نام نہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا ''جو شخص روزے کی حالت میں جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا نہیں چھوڑتا تو اللہ کو اس کی کوئی ضرورت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔'' ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہوا ''کتنے ہی روزہ دار ایسے ہیں جن کو اپنے روزے سے بھوک اور پیاس کے سوا کچھ نہیں ملتا۔''

تو اگر فی الواقع روزہ رکھا ہو اور اس کے نتیجے میں تقویٰ پیدا ہو تو اس کا معیار اور اس کی کسوٹی ہے اکلِ حلال۔

اکلِ حلال کی اہمیت کے بارے میں حضور ﷺ سے مروی ایک حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اس کے بغیر بڑی سے بڑی عبادت یا دعا قبول نہیں ہوتی۔ 23 ویں رکوع کی آخری آیت میں ہمارے سامنے حقیقی تقویٰ کا ایک معیار رکھ دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم ان تمام نواہی اور منکرات سے بچ سکیں جس سے ہمارا دین ہمیں بچانا چاہتا ہے اور صحیح تقویٰ اختیار کرنے کے لئے ہمارے دلوں میں طلب صادق پیدا فرما دے۔ آمین یارب العالمین!

ڈاکٹر اسرار احمد

سورۃ آل عمران (آیات 117 تا 120)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ۭ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ۭ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاۗءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۠ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ هٰٓاَنْتُمْ اُولَاۗءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۠ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۭ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـــًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۝﴾

''یہ جو مال دنیا کی زندگی میں خرچ کرتے ہیں اس کی مثال ہوا کی سی ہے جس میں سخت سردی ہو اور وہ ایسے لوگوں کی کھیتی پر جو اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے چلے اور اُسے تباہ کر دے۔ اور اللہ نے ان پر کچھ ظلم نہیں کیا بلکہ یہ خود اپنے اوپر ظلم کر رہے ہیں۔ مومنو! کسی غیر (مذہب کے آدمی) کو اپنا راز داں نہ بنانا۔ یہ لوگ تمہاری خرابی (اور فتنہ انگیزی کرنے) میں کسی طرح کی کوتاہی نہیں کرتے اور چاہتے ہیں کہ (جس طرح ہو) تمہیں تکلیف پہنچے۔ ان کی زبانوں سے تو دشمنی ظاہر ہو ہی چکی ہے اور جو (کینے) ان کے سینوں میں مخفی ہیں وہ کہیں زیادہ ہیں۔ اگر تم عقل رکھتے ہو تو ہم نے تم کو اپنی آیتیں کھول کھول کر سنا دی ہیں۔ دیکھو تم ایسے (صاف دل) لوگ ہو کہ اُن لوگوں سے دوستی رکھتے ہو حالانکہ وہ تم سے دوستی نہیں رکھتے اور تم سب کتابوں پر ایمان رکھتے ہو (اور وہ تمہاری کتاب کو نہیں مانتے) اور جب تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے اور جب الگ ہوتے ہیں تو تم پر غصے کے سبب انگلیاں کاٹ کاٹ کھاتے ہیں (اُن سے) کہہ دو کہ (بدبختو) غصے میں مر جاؤ۔ اللہ تمہارے دلوں کی باتوں سے خوب واقف ہے۔ اگر تمہیں آسودگی حاصل ہو تو اُن کو بری لگتی ہے اور اگر رنج پہنچے تو خوش ہوتے ہیں اور اگر تم تکلیفوں کو برداشت اور (اُن سے) کنارہ کشی کرتے رہو گے تو اُن کا فریب تمہیں کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ یہ جو کچھ کرتے ہیں اللہ اس پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔''

قریش مکہ بھی انفاق کر رہے تھے۔ مسلمانوں کے خلاف جنگی تیاریاں کرتے تھے۔ ان تیاریوں میں فوج کے لئے سواریاں چاہئیں' ہتھیار اور خوراک کی ضرورت ہے تو وہ بھی خرچ کر رہے تھے۔ مگر اُن کا یہ نفاق یا تو دین کی مخالفت کے لئے تھا یا اپنے جی کو ذرا جھوٹی تسلی دینے کے لئے تھا کہ ہم بھی موقعہ بہ موقعہ صدقہ و خیرات کرتے ہیں خواہ ہمارا کردار کتنا ہی گر گیا ہو۔ تو یہاں ان کے انفاق کو ایک مثال سے واضح کیا گیا ہے کہ ایک زوردار آندھی ہو جس میں ٹھنڈک ہو وہ ان لوگوں کی کھیتی پر آ پڑے جنہوں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہو اور اس سب کچھ کو تہس نہس کر کے رکھ دے۔ یعنی ان کی یہ نیکیاں اور یہ انفاق سب کا سب بالکل ضائع ہو جانے والا ہے۔ اس سلسلہ میں کی جانے والی ان کی تمام جدوجہد رائیگاں چلی جائے گی۔ اور اللہ نے اُن پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم ڈھا رہے تھے۔

اے اہل ایمان! اپنے لوگوں کے سوا کسی کو راز دار نہ بناؤ۔ تمہارے راز دار صرف تمہارے اندر میں سے صاحب ایمان لوگ ہی ہونے چاہئیں۔ یہ اس لئے فرمایا کہ مدینے کے رہائشی مسلمانوں کی دوستیاں اور تعلقات وہاں ساتھ رہنے والے یہودیوں کے ساتھ تھے۔ وہ اُسی تعلق کے تحت بعض اوقات راز کی بات ان کو بتا دیتے۔ تو یہاں اُن کو متنبہ کیا جا رہا ہے کہ تمہارے راز دار صرف تمہارے پُرخلوص مسلمان ہی ہو سکتے ہیں۔ جہاں تک ان یہودیوں کا تعلق ہے تو وہ تمہارے لئے کسی خرابی میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے۔ وہ تو پسند کرتے ہیں اس چیز کو جو تمہارے لئے تکلیف دہ ہو اور تمہیں مشکل اور مشقت میں ڈالے۔ اُن کی تمہارے ساتھ دشمنی اُن کے مونہوں سے بھی ظاہر ہو چکی ہے یعنی اُن کی زبانیں تمہارے خلاف آتش برساتی ہیں۔ پھر جو کچھ اُن کی زبانوں سے ظاہر ہوتا ہے وہ تو پھر بھی کم ہے' اُن کے دلوں کے اندر تمہاری دشمنی اور حسد کی جو آگ بھڑک رہی ہے وہ اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔ ہم نے تمہارے لئے اپنی آیات کو واضح کر دیا ہے اگر تم عقل سے کام لو۔ یعنی اُن کے ساتھ گہرے دوستانہ مراسم ترک کر دو اور اپنے طرزِ عمل کی اصلاح کر لو۔

تمہارا حال تو یہ ہے کہ تم اُن سے محبت کرتے ہو۔ یہ تمہاری شرافت اور سادہ لوحی ہے جس کی بنیاد پرانے تعلقات پر ہے لیکن جان لو کہ وہ تم سے محبت نہیں رکھتے۔ تمہارا حال تو یہ ہے کہ تم پوری کتاب کو مانتے ہو۔ توریت اور انجیل بھی کتاب ہی کا ایک حصہ ہیں اور تم تورات و انجیل کو بھی مانتے ہو اور اب اس قرآن کو بھی مانتے ہو۔ یوں تم تو پوری کتاب (ام الکتاب) پر یقین رکھتے ہو۔

اور جب یہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم بھی مومن ہیں' آپ ٹھیک بات کرتے ہیں۔ مگر جب وہ علیحدگی میں ہوتے ہیں تو اُس وقت وہ تم پر غصہ کی وجہ سے اپنی انگلیاں کاٹتے ہیں۔ ان سے کہو تم اپنے ہی غیظ و غضب میں مرتے رہو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ سینوں کے اندر مضمر ہے۔

اے مسلمانو! اگر تمہیں کوئی بھلائی پہنچ جائے یا تمہیں فتح نصیب ہو تو یہ ان لوگوں کو بری لگتی ہے اور اگر تمہیں کوئی گزند پہنچے یا عارضی طور پر شکست کا سامنا کرنا پڑے (جیسے احد میں ہوا) تو بڑے خوش ہوتے ہیں۔ لیکن یاد رکھو اگر تم صبر کرتے رہو اور تقویٰ کی روش اختیار کئے رکھو تو اُن کی یہ ساری چالیں تمہیں کوئی مستقل نقصان نہیں پہنچا سکیں گی اور یہ بالآخر ناکام ہی رہیں گے۔ جو کچھ یہ کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ اس کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ یہ ایک دائرے کے اندر ہی اچھل کود کر سکتے ہیں اس سے آگے نہیں نکل سکتے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں ضمانت دے رہا ہے کہ یہ تمہیں کوئی مستقل نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔

فرمانِ نبوی

چوہدری رحمت اللہ بٹر

نماز میں آیاتِ قرآنی پڑھنے کی فضیلت

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰه عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اِذَا رَجَعَ اِلٰى اَهْلِهٖ اَنْ يَّجِدَ فِيْهِ ثَلَاثَ خَلِفَاتٍ عِظَامٍ سِمَانٍ)) قُلْنَا نَعَمْ، قَالَ: ((فَثَلَاثُ اٰيَاتٍ يَقْرَأُ بِهِنَّ اَحَدُكُمْ فِيْ صَلَاتِهٖ خَيْرٌ لَهٗ مِنْ ثَلَاثِ خَلِفَاتٍ عِظَامٍ سِمَانٍ)) (رواہ مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ جب گھر واپس آئے تو تین اونٹنیاں حاملہ' بڑی اور موٹی اس کو مل جائیں؟'' ہم نے عرض کیا کہ بے شک (ضرور پسند کرتے ہیں) حضور ﷺ نے فرمایا: ''تین آیتیں جن کو تم میں سے کوئی نماز میں پڑھ لے وہ تین حاملہ بڑی اور موٹی اونٹنیوں سے افضل ہیں''۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تا خلافت کی بنا' دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب وجگر

قیام خلافت کا نقیب

ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور

جلد	4 تا 10 نومبر 2004ء	شمارہ
13	20 تا 26 رمضان 1425ھ	42

بانی: اقتدار احمد مرحوم
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید

مجلس ادارت

سید قاسم محمود۔ ڈاکٹر عبدالخالق
مرزا ایوب بیگ۔ سردار اعوان۔ محمد یونس جنجوعہ

نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد' طابع: رشید احمد چوہدری
مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ' لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67۔ گڑھی شاہو' علامہ اقبال روڈ لاہور
فون: 6366638-6316638 فیکس: 6305110
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور
فون: 03-5869501

قیمت فی شمارہ: 5 روپے
سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک.....250 روپے
بیرون پاکستان
یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ (1500 روپے)
امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ (2200 روپے)
چیک' منی آرڈر یا پے آرڈر
''مکتبہ خدام القرآن'' کے عنوان سے ارسال کریں

☆.☆.☆

''ادارہ'' کا مضمون نگار کی رائے سے
متفق ہونا ضروری نہیں

اداریہ

حل ناگزیر ہے!

ہمیں معلوم تھا کہ اب ''واحد سپر طاقت'' امریکا کے مفادات کا تقاضا یہ ہوگا کہ وہ ''اسرائیل بھارت اتحاد'' کو مضبوط و مستحکم کرنے کے لئے' کسی نہ کسی طرح بھارت کو اپنے ''اٹوٹ انگ'' کے موقف سے کچھ پیچھے ہٹا کر' مسئلہ کشمیر کا کوئی نہ کوئی حل نکالا جائے اور 2 نومبر کے صدارتی انتخابات کے بعد امریکی قیادت کے سامنے سب سے اہم مسئلہ یہی ہوگا کہ بھارت کو سلامتی کونسل کا مستقل رکن بنوانے کے لئے اُسے کشمیر کی بین الاقوامی دلدل سے نکالا جائے۔ ہم نے اسی لئے ''ندائے خلافت'' کا خصوصی ''مسئلہ کشمیر نمبر'' 24 اگست 2004ء کو شائع کر دیا تھا جس میں مسئلہ کشمیر کی تاریخ بیان کرنے کے ساتھ ساتھ مستقبل میں اہل کشمیر کی آبرومندانہ' آزاد و خود مختار زندگی کے بارے میں چند ممکنہ حل پیش کئے تھے' جن میں ہماری ''تنظیم اسلامی'' کے بانی و صدر مؤسس محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا تجویز کردہ حل بھی شامل تھا' جس پر وہ گزشتہ دس برس سے برابر اصرار کر رہے ہیں۔

''ممکنہ حل'' اپنی طرف سے جنرل پرویز مشرف نے بھی 25 اکتوبر کو وفاقی وزیر اطلاعات ونشریات شیخ رشید احمد کی جانب سے دی گئی افطار پارٹی میں' ذرائع ابلاغ کے نمائندوں کے سامنے پیش کئے ہیں۔ انہوں نے کہا: ''میں کہتا رہتا ہوں کہ حل وہ ہونا چاہئے جس پر پاکستان' بھارت اور کشمیری متفق ہوں۔ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ ممکن ہی نہیں کہ ایسا کوئی حل ہو جو بھارت' پاکستان اور کشمیریوں کو منظور ہو۔ اگر یہ صورتِ حال رہی تو پھر یہ مسئلہ کبھی حل نہ ہوگا۔ میں عوام کی رائے معلوم کرنے کے لئے ایک تجویز دے رہا ہوں۔ اُلجھن بہت شدید ہے۔ ہم رائے شماری کا مطالبہ کر رہے ہیں اور وہ کہہ رہے ہیں کہ لائن آف کنٹرول کو مستقل کرو۔ لہٰذا نہ وہ رائے شماری کو قبول کریں گے نہ ہم لائن آف کنٹرول کو مستقل سرحد قبول کریں گے اور یہ اُن پر اچھی طرح واضح ہے۔ بات یہ ہے کہ کشمیر میں سات ریجن ہیں۔ ان میں سے دو ریجن پاکستان میں ہیں' جبکہ پانچ ریجن بھارت میں ہیں۔ پاکستان میں جو دو ریجن ہیں وہ آزاد کشمیر اور شمالی علاقہ جات ہیں۔ جو علاقے بھارت میں ہیں' اُن میں ایک ریجن جموں' سانبھا اور کٹھوار پر مشتمل ہے۔ دوسرا دریائے چناب اور پیر پنجال ریجن ہے۔ اس کے درمیان میں ڈوڈہ' پونچھ' راجوڑی' اودھم ڈسٹرکٹ کی گول گلاب تحصیل ہے۔ تیسرا ریجن پیر پنجال اور ہمالیہ کے درمیان میں وادیٔ کشمیر' سری نگر ہے۔ چوتھا ریجن ہمالیہ اور دریائے زسکر (جو دریائے سندھ سے نکلتا ہے) کے درمیان کا علاقہ کارگل ہے۔ پانچواں ریجن دریائے زسکر اور کوہ قراقرم کے درمیان میں ہے۔ میری تجویز یہ ہے کہ اس پورے علاقے سے فوجیں نکال لینی چاہئیں اور علاقے کا سٹیٹس تبدیل ہونا چاہئے۔ اس سٹیٹس کی تبدیلی میں دونوں ملکوں کا جوائنٹ کنٹرول بھی ہو سکتا ہے' اقوام متحدہ کے زیر انتظام بھی یہ تبدیلی ہو سکتی ہے اور سٹیٹس کی تبدیلی کی تفصیلات پر بات ہو سکتی ہے۔ بہرحال ہمیں کسی نتیجے پر پہنچنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل نکالنا چاہئے''۔

جنرل مشرف کی اس تجویز پر اب تک ہر طرح کے ردِعمل سامنے آئے ہیں۔ پاکستان کے علاوہ کشمیر کے دونوں حصوں کی سیاسی و مذہبی قیادت نے اس پر ''شدید'' ردعمل ظاہر کیا ہے۔ حزب اختلاف کے رہنماؤں پاکستان مسلم لیگ (ن)' متحدہ مجلس عمل اور پیپلز پارٹی نے مشترکہ پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے اسے کشمیر پالیسی پر یوٹرن اور کشمیری شہداء سے بے وفائی قرار دیا ہے۔ کل جماعتی حریت کانفرنس کے صدر سید علی گیلانی نے کہا ہے کہ صدر مشرف کی تجاویز سراسر یک طرفہ اور پاکستان کے اصولی موقف سے انحراف اور ہماری جدوجہد آزادی پر اثر انداز ہونے کی منظم کوشش ہے۔ مسئلہ کشمیر کا منصفانہ حل صرف اور صرف اقوام متحدہ کی قراردادوں پر عمل درآمد سے مشروط ہے۔ اُدھر بھارتی وزارتِ خارجہ کے ترجمان نے کہا کہ ''اگر پاکستان کے پاس مسئلہ کشمیر کا کوئی حل ہے تو اُسے سرکاری چینل سے آنا چاہئے۔ یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں جس پر میڈیا کے ذریعے بات کی جائے۔ مسئلہ کشمیر پاک بھارت جامع مذاکرات کا حصہ ہے۔ اسے میڈیا کے ذریعے بحث کا موضوع نہیں بنانا چاہئے''۔ بھارت کی اپوزیشن ''بی جے پی'' نے انتہائی سخت اور منفی سوچ ظاہر کی ہے۔ بی جے پی کے رہنماؤں نے کہا ہے کہ جنرل مشرف کی تجویز کو قبول کرنے کا مطلب بھارتی پارلیمنٹ کی اس قرارداد کی صریح نفی ہوگا' جس میں جموں اور کشمیر کو بھارت کا اٹوٹ انگ قرار دیا گیا تھا' جس میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ کشمیر کا اگر کوئی تنازعہ ہے تو صرف یہ ہے کہ پاکستان کے زیر قبضہ کشمیر کے علاقے کو واپس لیا جائے''۔

دونوں ملکوں کی ان دو انتہائی رایوں کے علاوہ دونوں طرف کے بعض رہنماؤں اور اربابِ فکر و دانش نے کہا ہے کہ جنرل مشرف کی تجویز پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے اور یہ طے کرنے کی کوشش کی جائے کہ آخر دنیا کے اس سنگین مسئلے کا کیا حل ہونا چاہئے جو ''ایٹمی فلیش'' بن چکا ہے۔ ہماری رائے میں ''ناگزیر برائی'' کے طور پر وہی حل بالآخر برسرکار پیکار آئے گا جو محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے دس سال پہلے پیش کیا تھا' اور جو یہاں ایک بار پھر (اگلے صفحے پر) دہرایا جا رہا ہے۔

(ادارہ)

قابل عمل 'ناگزیر حل!

فلسطین کے بعد عالم اسلام کے سب سے اہم' قدیم اور سنگین بین الاقوامی مسئلے کا قابل عمل حل "تنظیم اسلامی" کے بانی محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے پہلی بار تقریباً دس سال پہلے 25 اکتوبر 1995ء کو ایک پریس کانفرنس میں پیش کیا تھا۔ آپ نے فرمایا تھا: "کشمیر کے خوفناک ترین مسئلے کے حل کے ضمن میں میری رائے یہ ہے کہ:

(i) اسے امریکہ یا UNO کے ذریعے حل کرانے کی کوشش ترک کر دی جائے اور چچا سام کو کم از کم اس مسئلے میں "سلام" کہہ دیا جائے اور یو این او سے بھی اپنا پاندان اٹھالے جانے کی درخواست کی جائے۔

(ii) اس کا حل شملہ معاہدے کے مطابق بھارت کے ساتھ براہ راست دو طرفہ گفتگو کے ذریعے جلد از جلد کچھ دو اور کچھ لو کے اصول پر کر لیا جائے۔ اور اس ضمن میں ایران اور چین کی خیر سگالی کو بروئے کار لایا جائے۔

(iii) اسے 1947ء کی تقسیم ہند کا نامکمل ایجنڈا قرار دیتے ہوئے اور پنجاب اور بنگال کی تقسیم کو مدنظر رکھتے ہوئے اس طرح حل کیا جائے کہ:

ا) آزاد کشمیر اور شمالی علاقہ جات کو پاکستان میں ضم کر لیا جائے اور صوبوں کی حیثیت دے دی جائے۔

ب) اسی طرح جموں اور لداخ کے غیر مسلم اکثریت والے علاقوں کو بھارت اپنی ریاستیں بنالے اور

ج) وادی کی حد تک بھارت اور پاکستان اپنے ہی اہتمام میں ریفرنڈم کرالیں اور صرف وادی کی حد تک بھارت یا پاکستان میں سے کسی ایک کے ساتھ الحاق کے ساتھ ساتھ آزادی کا تھرڈ آپشن بھی دے دیا جائے۔ اس شرط کے ساتھ کہ اس کو داخلی خودمختاری تو پوری حاصل ہو لیکن خارجہ پالیسی اور دفاع کے معاملات پر بھارت اور پاکستان کی مشترکہ نگرانی ہو۔

اگر ایسا نہ کیا گیا تو عنقریب بھارت اور پاکستان دونوں روایتی بلیوں کے مانند دیکھتے رہ جائیں گے..... اور عظیم تر کشمیر کی پوری روئی کو عالمی یہودی استعمار کا بندر ہڑپ کر جائے گا۔ اعاذنا اللہ من ذالک!

پھر پانچ سال کے بعد 4 فروری 2000ء کو اپنے خطاب جمعہ میں اپنے مجوزہ حل کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

"حال ہی میں امریکہ کی ہارورڈ یونیورسٹی کے ایک تھنک ٹینک نے جس میں یہودیوں کی اکثریت شامل ہے' مسئلہ کشمیر کے حل کے ضمن میں ایک تجویز دی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ جموں اور لداخ کا علاقہ ہندوستان کو دے دیا جائے جبکہ آزاد کشمیر کو پاکستان کے پاس رہنے دیا جائے اور وادی کشمیر کو آزاد ریاست کا درجہ دے دیا جائے۔ ہمیں اس رائے سے محض اس لئے اختلاف نہیں کرنا چاہئے کہ یہ یہودیوں کے ذہن کی اختراع ہے۔ البتہ میری رائے میں اس تجویز کا آدھا حصہ قابل عمل ہے اور آدھا حصہ غلط ہے۔ اس فارمولے میں خامی یہ ہے کہ وادی کو اگر امریکہ یا یو این او کے رحم و کرم پر آزادی دے دی گئی تو اندیشہ ہے کہ ہارٹ آف ایشیا میں ایک نیا اسرائیل قائم ہو جائے گا۔

اگرچہ اس سے پہلے امریکہ کی سکیم یہ تھی کہ پاکستان' ہندوستان اور چین سے کشمیر کے سارے علاقے واپس لے کر یہاں ایک آزاد ریاست کی صورت میں امریکی اڈہ قائم کیا جائے' لیکن اللہ کا کرم ہوا اور بعض اطلاعات کے مطابق آئی ایس آئی نے امریکہ کی یہ سکیم ناکام بنا دی ہے۔ موجودہ صورت حال میں اس کا درست حل یہ ہے کہ مسئلہ کشمیر کو تقسیم ہند کے نامکمل ایجنڈے کے طور پر حل کرتے ہوئے بھارت سے ملحقہ ہندو اکثریتی علاقوں یعنی جموں اور لداخ کو بھارت میں ضم کر دیا جائے اور اسی فارمولے کے تحت موجودہ آزاد کشمیر کو وادی سمیت پاکستان کا حصہ قرار دے دیا جائے۔ تاہم مناسب ہوگا کہ اس سارے عمل میں یو این او یا امریکہ کی ثالثی قبول نہ کی جائے بلکہ بھارت اور پاکستان دونوں باہمی مفاہمت سے یا پھر چین اور ایران کو ثالث مان کر اس مسئلے کو حل کریں تاکہ کوئی بیرونی طاقت اس صورت حال سے فائدہ اٹھا کر کشمیر میں قدم نہ جمانے پائے۔

اس مسئلے کے حل کی ایک کم تر صورت یہ بھی ہو سکتی ہے جسے بھارتی عوام اور حکومت افہام و تفہیم کے بعد قبول کرنے پر تیار ہو سکتے ہیں۔ یعنی جموں اور لداخ بھارت میں ضم ہو جائیں اور موجودہ آزاد کشمیر مستقلاً پاکستان کا حصہ بن جائے اور صرف وادی کی حد تک استصواب کرا لیا جائے کہ وہ بھارت کے ساتھ ضم ہونا چاہتے ہیں یا پاکستان کے ساتھ۔ اور اگر وادی کے لوگ تھرڈ آپشن کے حق میں فیصلہ دیں تو صرف وادی کو اس شرط پر آزاد ریاست کا درجہ دے دیا جائے کہ اس علاقے کو کسی بیرونی طاقت کا اڈہ نہیں بننے دیا جائے گا۔

10 جولائی 2001ء کو ڈاکٹر صاحب نے پریس کانفرنس میں پھر اپنی تجویز دہراتے ہوئے فرمایا کہ قابل عمل اور ناگزیر حل یہ ہو سکتا ہے:

میری عرصۂ دراز سے یہ پختہ رائے ہے کہ.....

(1) کشمیر کے مسئلے کو تقسیم ہند کے متفق علیہ فارمولے کی روح کے مطابق اسی کے ایجنڈے کی ایک بقیہ شق کی حیثیت سے حل کیا جائے.....!

(2) یعنی یہ کہ اصولی اعتبار سے تو مسلم اور غیر مسلم آبادی کی اکثریت کی بنیاد پر جس طرح نہ صرف یہ کہ پورا ہندوستان تقسیم ہوا بلکہ صوبے بھی تقسیم ہوئے یہاں تک کہ بعض اضلاع بھی تقسیم ہوئے' اسی طرح کشمیر کے اس پورے مسلم اکثریت کے علاقے کو جو پاکستان کے ساتھ ملحق ہے' پاکستان کے حوالے کیا جائے اور غیر مسلم اکثریت کے ان علاقوں کو جو بھارت کے ساتھ ملحق ہوں' بھارت میں ضم کر دیا جائے۔ گویا صرف لداخ اور جموں کے وہ اضلاع جن میں غیر مسلموں کی اکثریت ہو' بھارت میں مدغم ہو جائیں اور بقیہ پورا بھارتی کشمیر پاکستان کے حوالے کر دیا جائے.....

(3) تاہم چونکہ بھارت کی رائے عامہ کے لئے اتنی بڑی قربانی کو ہضم (Reconcile) کرنا تقریباً ناممکن ہے لہٰذا قابل قبول اور قابل عمل حل یہ ہے کہ (i) آزاد کشمیر اور گلگت و بلتستان حسب سابق پاکستان کے پاس رہیں اور انہیں باضابطہ صوبوں کی حیثیت دے کر پاکستان میں شامل کر لیا جائے۔ (ii) اسی طرح لداخ اور جموں کے صرف بھارت سے ملحق غیر مسلم اکثریت کے علاقے بھارت میں ضم کر دیئے جائیں اور (iii) صرف وادی کشمیر اور اس سے ملحق لداخ اور جموں کے مسلم اکثریت کے اضلاع میں بھارت اور پاکستان اپنے مشترکہ اہتمام میں رائے شماری کرالیں اور اس میں یا بھارت یا پاکستان کے ساتھ ساتھ خودمختاری کا آپشن بھی شامل کر دیا جائے۔ اس لئے کہ چونکہ نصف صدی کے دوران وقت کے دریا میں بہت سا پانی بہہ چکا ہے' اور نہ صرف بھارت کے مقبوضہ کشمیر میں بلکہ آزاد کشمیر میں بھی ایک مضبوط لابی بھارت اور پاکستان دونوں سے علیحدہ آزاد کشمیر کے قیام کے حق میں پیدا ہو چکی ہے جن کو نظر انداز نہیں کیا جانا چاہئے۔ لیکن یہ آپشن اس شرط کے ساتھ مشروط ہونا چاہئے کہ داخلی طور پر کامل آزادی کے ساتھ ساتھ دفاع اور خارجہ اُمور کے ضمن میں وہاں بھارت اور پاکستان کا مشترکہ کنٹرول ہوگا تاکہ دنیا کی کوئی اور تیسری طاقت وہاں قدم نہ جما سکے!..... مزید برآں یہ کہ بھارت اور پاکستان دونوں ممالک کے شہریوں کو اس آزاد وادی میں آمد و رفت کا بغیر ویزا حق حاصل ہو۔ اور وادی کے لوگ بھی دونوں ملکوں میں آزادانہ آمد و رفت رکھ سکیں۔

دعا کی حقیقت یہی ہے کہ انسان کی روح اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہو!

اگر دعا کے لئے تمام مطلوبہ تقاضے پورے کئے جائیں تو نماز حقیقتاً معراج کا درجہ اختیار کر لیتی ہے

روزے کا اصل حاصل

مسجد جامع القرآن' قرآن اکیڈمی' لاہور میں بانی تنظیم اسلامی محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے 22 اکتوبر 2004ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

آج ساتواں روزہ ہے۔ حسن اتفاق سے دو ہفتے قبل بھی بہت عرصے کے بعد اس مسجد میں میرا خطاب جمعہ ہوا تھا' جس کا موضوع ''رمضان' روزہ اور قرآن'' تھا۔ آج میں روزے کے اصل حاصل کے حوالے سے گفتگو کروں گا۔ حدیث کی رُو سے اس ماہ مبارک میں دو متوازی عبادتیں ہیں' جن میں سے ایک کو فرض کیا گیا ہے جبکہ دوسری کے لئے ترغیب وتشویق ہے۔ ایک عبادت دن کی ہے یعنی روزہ اور ایک عبادت رات کی ہے یعنی قیام اللیل مع القرآن۔ رمضان المبارک نزول قرآن کا مہینہ ہے' لہٰذا روزے اور قرآن کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ سورۃ البقرہ کی آیت 185 کے آخر میں رمضان کا اصل حاصل یہ بیان کیا گیا ہے کہ تمہارے اندر شکر پیدا ہو۔ قرآن کی عظمت سے تم واقف ہو جاؤ۔ اسی آیت مبارکہ میں قرآن کو ہدی اللناس کہا گیا' یعنی یہ فی نفسہٖ تا قیام قیامت تمام انسانوں کے لئے ہدایت ہے لیکن درحقیقت وہی لوگ اس سے استفادہ کر سکیں گے جن کا رجحان نیکی کی طرف ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی فطرت میں بھلائی اور برائی' خیر اور شر میں فرق کا تصور موجود رکھا ہے۔ چنانچہ جس کی اخلاقی حس بیدار ہوگی' وہ قرآن سے استفادہ کر سکتا ہے۔ رمضان المبارک کے دوران نماز تراویح میں پورا قرآن مجید سن لینا بھی انہی کے لئے فائدہ مند ہوتا ہے جن کی مادری زبان عربی ہے' اُن کے ذہن اور قلب میں تو کلام بھی اُترتا چلا جاتا ہے جبکہ ہم اس سے محروم رہتے ہیں۔ چنانچہ دورہ ترجمہ قرآن کسی درجے میں اسی کی تلافی ہے کہ پہلے اس کا ترجمہ اور کچھ تشریح سن لی جائے جو کچھ چار رکعتوں میں پڑھا جانے والا ہے اور اس کے بعد تراویح ادا کی جائے۔ اس سے قرآن کی عظمت واضح ہوگی۔ کسی نعمت پر شکر اسی وقت کیا جا سکتا ہے جب اس کی وقعت اور قدر و قیمت کا ادراک ہو۔ اگر ایک بچے کے ہاتھ پر ہیرے کا ٹکڑا رکھ دیا جائے تو اس کے اندر شکر کا کوئی جذبہ نہیں اُبھرے گا' لیکن اگر وہی ہیرا کسی جوہری کو دکھایا جائے تو وہ اس کی صحیح قدر و قیمت سے آگاہ ہوگا۔ اسی طرح قرآن کی قدر و قیمت سے اسی صورت میں آگاہ ہوا جا سکتا ہے کہ دن میں روزہ رکھا جائے اور رات کو قرآن مجید سمجھ کر اپنے دل میں اتارا جائے۔ اس شکر کے عملی پہلو کو میں نے اپنی کتاب ''مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق'' میں بیان کیا ہے۔

آج اپنے خطاب کے آغاز میں مَیں نے سورۃ المومن کی آیت 60 بھی تلاوت کی ہے' جو کہ دعا کے موضوع پر اہم ترین آیت ہے۔ فرمایا گیا: ''اور تمہارا رب کہتا ہے مجھ کو پکارو تا کہ تمہاری پکار کو پہنچوں۔ بے شک جو لوگ میری بندگی سے تکبر کرتے ہیں' وہ دوزخ میں ذلیل ہو کر داخل ہوں گے''۔ دعا کے بارے میں آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ: ''دعا عبادت کا جوہر ہے۔'' ایک دوسری حدیث مبارکہ کی رُو سے دعا ہی اصل عبادت ہے۔ لیکن آج بدقسمتی سے دعا مانگنا' دعا کرنا' دعا پڑھنا تین مختلف کام ہو گئے ہیں۔ ایک یہ کہ آپ دعاؤں کی کتاب ہاتھ میں لئے پھر رہے ہیں اور اس میں سے پڑھتے جا رہے ہیں' یہ محض دعا پڑھنا ہے۔ اس کے اندر آپ کے اللہ سے ہم کلام ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسی طریقے سے دعا مانگنے اور دعا کرنے میں بڑا فرق ہے۔ دعا اصل میں کیا ہے' فلسفیانہ اعتبار سے اس کی تشریح علامہ اقبال نے اپنے لیکچرز میں بڑے پیارے انداز میں کی ہے۔ علامہ اقبال کہتے ہیں کہ ہمارے اندر ایک انا ہے (جسے میں' خودی' Self' Ego سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے)' لیکن جیسے ہمارا وجود محدود ہے اسی طرح ہماری یہ انا بھی محدود ہے۔ چنانچہ یہ انائے صغیر ہے۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی انائے کبیر ہے۔ اس کا سب سے بڑا مظہر سورۂ طٰہٰ کی آیت 14 ہے' جس میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''میں وہ ہوں جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے' پس میری ہی بندگی کرو''۔ انانیت کا لفظ اگر ہم اپنے لئے بولیں گے تو یہ مناسب نہیں ہوگا' لیکن اللہ کو یہ جامہ زیب دیتا ہے۔ ''المتکبر'' اس کا ایک صفاتی نام ہے۔ علامہ اقبال کا کہنا ہے کہ درحقیقت دعا اسی وقت ہوتی ہے جب انائے صغیر' انائے کبیر کے روبرو ہو۔

جس چیز کو ہم انا کہتے ہیں' قرآن کی اصطلاح میں وہ ہماری روح ہے۔ اس روح کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی طرف نسبت دی ہے۔ یہ روح ربانی ہمارے وجود حیوانی کے بوجھ تلے دبی رہتی ہے۔ اس وجود حیوانی کی تکلیف' راحت نقد ہے اور ہمیں ان کا ہر وقت احساس رہتا ہے۔ اپنے جسم کے تمام تقاضے ہم پورے کر رہے ہیں جبکہ روح سے بیگانہ ہیں۔ روح کی موجودگی کا ہمیں احساس ہی نہیں ہے۔ اسی لئے علامہ اقبال نے اپنے فلسفۂ خودی کا ماخذ سورۃ الحشر کی اس آیت کو قرار دیا تھا کہ: ''ان لوگوں کی مانند مت ہو جاؤ جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے انہیں اپنے آپ سے غافل کر دیا''۔ وہ ''اپنا آپ'' کون سا ہے جس سے انسان غافل ہو جاتا ہے؟ اپنے وجود حیوانی سے تو انسان کبھی غافل نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس آیت مبارکہ میں درحقیقت مراد روح سے ہے۔ اس روح ربانی کے اندر اللہ سے ہم کلام ہونے کی صلاحیت ہے' لیکن اسے موقع نہیں ملتا۔ یہ مضمحل پڑی رہتی ہے' ہم اسے غذا ہی نہیں دیتے۔ روزے کی وجہ سے اس روحانیت پر حیوانیت کا دباؤ کچھ کم ہوتا ہے تو اسے سکون ملتا ہے اور وہ اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ لہٰذا رمضان میں دن کے روزے اور رات کو قرآن کے ساتھ قیام کا حاصل بھی یہی ہے کہ روح انسانی کو زندہ کیا جائے۔ ایک حدیث مبارکہ کی رُو سے رات کی آخری ساعتوں میں اللہ تعالیٰ عرش معلّٰی سے سمائے دنیا پر نزول فرماتا ہے اور پھر وہاں سے ندا ہوتی ہے: ''ہے کوئی مغفرت طلب کرنے والا کہ میں اس کی بخشش کر دوں۔ ہے کوئی مانگنے والا کہ میں اسے عطا کروں''۔ اس کی رحمت تو جوش میں ہے' لیکن کوئی سائل ہی نہیں۔ یہ ہے دعا کا اصل مفہوم اور اس کا طریقہ کہ انائے صغیر' انائے کبیر کے

روبرو ہم کلام ہو!

اب آپ نماز کی حقیقت کو سمجھیں۔ حدیث میں کہا گیا ہے کہ الصلوٰۃ معراج المؤمنین۔ معراج میں اللہ کے ساتھ آنحضورﷺ کا براہِ راست مکالمہ ہوا ہے' یہی براہِ راست مکالمہ ایک مومن کے لئے نماز میں ہوسکتا ہے بشرطیکہ اسے محض ایک رسم عبودیت سمجھ کر ظاہری طور پر ہی ادا نہ کیا جائے۔ نماز میں سورۃ الفاتحہ کی ابتدائی تین آیات کے ذریعے غائب کے صیغے میں اللہ تعالیٰ کی مدح کی جاتی ہے' پھر روبرو آ کر کہا جاتا ہے کہ: ''ہم تیری ہی بندگی کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ ہمیں سیدھا راستہ دکھا''۔ یہ اللہ کے ساتھ مکالمہ ہے۔ لیکن ایسا اسی وقت ہوسکتا ہے جب انسان کی روح بیدار ہوجائے۔ یہی دعا ہے۔

کسی انسان سے کچھ مانگا جائے تو اسے گراں گزرتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ اس امر کو پسند کرتا ہے کہ اس سے طلب کیا جائے۔ اسی لئے سورۂ ق کی آیت 16 میں ارشاد ہوا کہ: ''ہم تو اس (انسان) سے اُس کی رگِ جاں سے بھی قریب تر ہیں''۔ یہ انسانی حقوق کا بہت بڑا میگنا کارٹا ہے۔ پوری انسانی تاریخ کے اندر دو طرح سے انسان کا استحصال کیا گیا ہے۔ ایک سیاسی سطح پر کہ بادشاہوں کے حقوق کو خدائی قرار دے کر یہ کہا گیا کہ اگر تم نے بادشاہ کے حقوق کو چیلنج کیا تو گویا کہ خدا کو چیلنج کر دیا' اور دوسرا مذہبی استحصال جس کے ذریعے عام لوگوں کے ذہن میں یہ بٹھا دیا گیا کہ خدا بہت دور ہے اور تم ناپاک' گناہ گار ہونے کے باعث اس سے ہم کلام نہیں ہوسکتے۔ چنانچہ تمہیں کوئی درمیانی واسطہ چاہئے۔ یہ واسطہ کسی پادری' پوپ' پیر' پنڈت یا پروہت کی شکل میں ہوگا۔ یہ استحصال سورۃ البقرہ کی آیت 186 نے ختم کیا ہے کہ: ''اور جب میرے بندے آپؐ سے میرے بارے میں پوچھیں تو (کہہ دیجئے) میں قریب ہوں' ہر پکارنے والے کی پکار کو سنتا ہوں جب بھی وہ مجھے پکارے''۔

حدیث میں دعا کی قبولیت کی تین شکلیں بیان کی گئی ہیں۔ آنحضورﷺ نے فرمایا کہ کوئی دعا بے نتیجہ نہیں ہوتی' لیکن اس کے نتیجہ خیز ہونے کی تین صورتیں ہیں۔ اگر تو جو شے مانگی جارہی ہے' وہ اللہ کے علم کی رُو سے اس بندے کے حق میں مفید ہو تو وہی عطا کر دی جاتی ہے۔ اگر طلب کردہ شے بندے کے حق میں بہتر نہ ہو تو اللہ اسے کوئی اور اچھی چیز دے دے گا۔ اگر یہ دونوں صورتیں نہ ہوں تو پھر وہ دعا اس بندے کے لئے توشۂ آخرت بن جائے گی اور وہاں اس کا اجر و ثواب اسے مل جائے گا۔ لہٰذا قلب کی گہرائی سے نکلی ہوئی دعا کسی حالت میں بھی منفعت سے خالی نہیں۔

تاہم اس کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یک طرفہ معاملہ نہیں ہے۔ انسان کو بھی چاہئے کہ وہ اللہ کا کہنا مانے اور شریعت میں جن چیزوں کو حرام کیا گیا ہے' ان میں کسی صورت بھی ملوث نہ ہو۔ اللہ کے ساتھ دوطرفہ بنیادوں پر تعلق قائم ہوگا۔ چنانچہ فرمایا گیا کہ مجھے یاد کرو' میں تمہیں یاد کروں گا۔ اسی طرح ارشاد ہوا کہ اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ اگر ہم اللہ کے باغیوں کے وفادار بنے ہوئے ہوں اور یہ چاہیں کہ اللہ ہماری دعائیں سنے تو ایسا ممکن نہیں۔ یہ معاملہ دوطرفہ چلے گا! سورۃ المومن کی آیت 14 میں واضح کر دیا گیا کہ: ''پس تم اللہ کو پکارو اس کے واسطے اپنی اطاعت کو خالص کر کے''۔ کسی ایسے معاملے میں جس میں خالق کی معصیت لازم آ رہی ہو' وہاں مخلوق میں سے کسی کی اطاعت نہیں ہوگی۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ جو طاغوت کا کفر کرے اور پھر اللہ پر ایمان لائے' وہ ہے کہ جس نے مضبوط کنڈے کے اوپر ہاتھ ڈال دیا ہے۔ وہ اللہ کے ساتھ وابستہ ہوگیا' اب اس کے لئے کوئی کمزوری نہیں۔

لہٰذا ہمارے دین میں دعا کا یہ مقام ہے۔ اگر انسان دعا کے لئے مطلوب کیفیت کے حصول کے لئے محنت کر رہا ہو تو نماز حقیقت میں معراج کا درجہ اختیار کر لیتی ہے۔ یہی صورت اس روزے کی ہے جو اللہ کی رضا کے لئے رکھا جائے اور جس کے تمام تقاضے پورے کئے جائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں رمضان المبارک کی صحیح برکات سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری اس اندرونی انا' خودی اور روح کو بیدار کر دے جس میں اللہ کی طرف متوجہ ہونے کے لئے پیاس ہے —— کیونکہ روح انسانی کا اللہ کی طرف متوجہ ہو جانا اور پھر اسی سے مانگنا ہی درحقیقت عبادت کا جوہر اور اس کی روح ہے!

(ملخص: محمد خلیق)

پریس ریلیز 29 اکتوبر 2004ء

بنیاد پرستی یا خدا پرستی

اگر کوئی مسلمان بنیاد پرست نہیں تو وہ خدا پرست بھی نہیں کیونکہ اللہ پر ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ پورے اسلام پر عمل پیرا ہوا جائے۔ یہ بات بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے مسجد دارالسلام باغ جناح میں خطاب جمعہ کے دوران کہی۔ انہوں نے کہا کہ اسلام میں بنیاد پرستی کا تقاضا یہ ہے کہ نہ صرف انفرادی زندگی میں اللہ کی کامل اطاعت کی جائے بلکہ اجتماعی سطح پر بھی کُل کا کُل نظام اللہ کے تابع ہوجائے، لیکن مغرب کو یہ گوارا نہیں۔ اسی لئے مغرب نے بنیاد پرستی کو دہشت گردی قرار دے کر اس کے خلاف جنگ شروع کر رکھی ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ امریکہ سیکولر جمہوری نظام، سود پر مبنی معیشت اور بے حیا معاشرت کو پوری دنیا پر مسلط کرنا چاہتا ہے۔ لہٰذا نماز، روزے کی حد تک اسلام پر انہیں کوئی اعتراض نہیں، وہ دراصل اسلام کو ایک نظام کی حیثیت سے برداشت کرنے کو تیار نہیں۔ انہوں نے کہا کہ افسوس ناک امر یہ ہے کہ عالم اسلام میں مسلمانوں کی ایک بڑی اکثریت بھی نماز، روزے کی حد تک ہی اسلام پر عمل پیرا ہے اور اُنہیں دیگر شعبہ ہائے زندگی کے حوالے سے اسلامی تعلیمات سے کوئی سروکار نہیں۔

کشمیر کے بارے میں صدر مشرف کی تجویز پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ صدر مشرف نے نائن الیون کے بعد جو یوٹرن لیا تھا اُسی کا نتیجہ ہے کہ آج وہ کشمیر میں جہاد کو دہشت گردی کہنے پر مجبور ہیں۔ البتہ کشمیر کی تقسیم کے سوا اس دیرینہ مسئلے کا کوئی حل نہیں۔ انہوں نے کہا کہ میں نے پندرہ سال قبل یہ تجویز دی تھی کہ لدّاخ اور جموں بھارت میں شامل کر دیئے جائیں اور آزاد کشمیر سمیت جو حصے پاکستان کے پاس ہیں وہ پاکستان کے صوبے بنا دیئے جائیں۔ جبکہ وادی کی حد تک استصواب کرالیا جائے اور اگر وہ آزاد ہونا چاہیں تو بھی غور کیا جاسکتا ہے۔ البتہ اس صورت میں وادی پر بھارت اور پاکستان کا مشترکہ کنٹرول ہوتا کہ کوئی بیرونی طاقت وہاں قبضہ نہ جما سکے۔ کیونکہ اگر امریکہ نے اسے اپنا اڈہ بنالیا تو یہ خطہ دوسرا اسرائیل بن جائے گا۔

امریکہ کے صدارتی انتخابات پر گفتگو کرتے ہوئے ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ عالم اسلام کے حوالے سے بش اور کیری کے نقطۂ نظر میں کوئی فرق نہیں۔ اختلاف صرف یہ ہے کہ کیری سعودی عرب اور پاکستان کے بنیاد پرست طبقات کو فوری طور پر کچلنے کا حامی ہے جبکہ بش مصلحتاً اس میں تاخیر کر رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے تمام مسائل کا واحد حل یہ ہے کہ ہم دورِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق ملک میں اسلامی نظام قائم کر کے دنیا کے سامنے اسلام کی صحیح تصویر پیش کر دیں۔ بصورت دیگر اللہ کے دین سے بے وفائی کی سزا کے طور پر عراق جیسے انجام سے ہمیں کوئی نہ بچا سکے گا۔

جاری کردہ: شعبہ نشر و اشاعت' تنظیم اسلامی

کشمیر فارمولا اور قومی سلامتی

ایوب بیگ مرزا

صدر جنرل پرویز مشرف نے کشمیر کے مسئلہ کے حل کے لئے ایک نیا فارمولا پیش کیا ہے۔ ایک ایسے اجتماع میں جس میں میڈیا کے لوگوں کی اکثریت تھی انہوں نے اپنے اس نئے فارمولا کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان ستاون سال سے اس موقف پر ڈٹا ہوا ہے کہ کشمیر کے مسئلہ کو اقوام متحدہ کی پاس کردہ قراردادوں کے مطابق حل کیا جائے یہاں استصواب رائے کے ذریعے معلوم کیا جائے کہ کشمیری اپنا مستقبل پاکستان کے ساتھ منسلک کرنا چاہتے ہیں یا بھارت کے ساتھ' یہ کشمیریوں کا پیدائشی حق ہے اور انہیں لازماً ملنا چاہئے۔ دوسری طرف بھارت نے نصف صدی سے یہ رٹ لگائی ہوئی ہے کہ کشمیر بھارت کا اٹوٹ انگ ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوسکتا ہے کہ LOC کو مستقل سرحد بنا دیا جائے کشمیر کا جو حصہ پاکستان کے پاس ہے وہ پاکستان کا حصہ بن جائے اور جو بھارت کے پاس ہے وہ بھارت کا حصہ بن جائے۔ دونوں اپنے دیرینہ موقف پر ڈٹے ہوئے ہیں اور اُن کے درمیان ہونے والی خونریز جنگیں بھی مسئلہ کو حل نہیں کروا سکی۔

انہوں نے کہا کہ اگر دونوں اپنے اپنے موقف سے پسپائی اختیار کرنے سے ڈرتے رہے تو یہ مسئلہ سو سال تک بھی حل نہیں ہوگا اور دونوں ممالک کے عوام اپنی خون پسینے کی کمائی دفاعی تیاریوں اور حربی سامان کی خرید میں جھونکتے رہیں گے۔ انہوں نے کہا کہ نہ پاکستان کی تمام تر خواہش کے مطابق مسئلہ حل ہو سکے گا اور نہ ہی بھارت کبھی LOC کو مستقل سرحد بنوا سکے گا۔ انہوں نے کہا کہ میں ڈائیلاگ کے آغاز اور محض نکتہ نظر کے تبادلے کے لئے کشمیر اور مسئلہ کے حل کے لئے ایک فارمولا دینا چاہتا ہوں۔

وہ فارمولا یہ ہے کہ فریقین اپنے سابقہ موقف سے ہٹ جائیں اور کشمیر کے نقشہ پر ایک نگاہ ڈالی جائے یہ سات ریجن میں تقسیم نظر آتا ہے یہ تقسیم جغرافیائی' لسانی اور مذہبی بنیادوں پر ہے۔ ان میں سے دو ریجن آزاد کشمیر اور شمالی علاقہ جات پاکستان کے پاس ہیں اور پانچ ریجن بھارت کے پاس ہیں۔ بھارت کے پاس ایک ریجن جموں اور سانبھا ہے جو ہندو اکثریت کا علاقہ ہے۔ دوسرا ریجن پیر پنجال ڈوڈوا کا آدھا ضلع' پونچھ' راجوڑی اور ادھم پور کا علاقہ ہے یہ مسلم اکثریت کا علاقہ ہے اور اس کی سرحد آزاد کشمیر کے ساتھ ملتی ہے تیسرا ریجن وادی کشمیر کا ہے جو مسلم اکثریت کا علاقہ ہے۔ یہ ہمالیہ کی گود میں ہے سری نگر اس میں شامل ہے یہ خالص کشمیری نسل کے لوگ ہیں یہ سب مسلمان ہیں۔ چوتھا ریجن کارگل اور دراس کا ہے یہ بھی مسلم اکثریت کا علاقہ ہے اور یہ ریجن آزاد کشمیر سے ملحق ہے پانچواں ریجن دریائے اکسر اور قراقرم کا درمیانی علاقہ ہے جہاں بدھ مت کے پیروکاروں کی اکثریت ہے۔

انہوں نے کہا کہ کشمیر کے مسئلہ کے حل کے لئے جو تجاوز زیر بحث رہی ہیں اُن میں سے ایک یہ ہے کہ استصواب رائے کے ذریعے کشمیریوں کی خواہش معلوم کی جائے چھپن سال میں اس پر عمل درآمد نہیں ہو سکا تو اب کیسے ہوگا ایک تجویز یہ ہے کہ پاکستان اور بھارت دونوں کشمیر سے مکمل طور پر فوجی انخلا کر کے اسے آزاد کر دیا جائے۔ اس تجویز کے ساتھ بھی انہوں نے اپنا تبصرہ کر دیا کہ یہ ناممکن ہے۔ انہوں نے کہا کہ کشمیر آزاد یا خودمختار یا مشترکہ کنٹرول یا اقوام متحدہ کے زیر انتظام کشمیر کے مختلف حصوں کی بنیاد اس امر پر رکھی جا سکتی ہے۔

اُن کی گفتگو سے یہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ وہ آخری تجویز کو قابل عمل سمجھتے ہیں۔ راقم نے اُن کی آخری تجویز کے حوالہ سے جو بات سمجھی ہے وہ یہ ہے کہ کشمیر کے سات ریجن میں سے کچھ کو آزاد یا خودمختار کر دیا جائے کچھ پر مشترکہ کنٹرول ہو کچھ اقوام متحدہ کے زیر انتظام آ جائیں۔ اس فارمولا پر روشنی ڈالنے سے پہلے راقم کی رائے میں کشمیر کے مسئلہ کو سمجھ لینے کی ضرورت ہے۔ بعض حضرات کی رائے میں کشمیر پر پاکستان کا مقدمہ بہت کمزور ہے۔ اس لئے اسے جیسے تیسے ممکن ہو طے کر لینا چاہئے۔ راقم اگرچہ خود اس بات کا زبردست وکیل ہے کہ پاکستان کو یہ بات بھول جانی چاہئے کہ کشمیر ہمارا اپنا اور سارے کا سارا ہے لیکن اس لئے نہیں کہ پاکستان کا مقدمہ کمزور ہے بلکہ اس لئے کہ زمینی حقائق اور عالمی حالات ایسے نہیں ہیں کہ ہم سارے کا سارا کشمیر بھارت سے لے لیں یہ صرف طاقت کے زور پر ممکن ہے اور ہم میں قطعی طور پر اتنی طاقت نہیں کہ ہم بھارت کو پچھاڑ کر اس سے کشمیر چھین سکیں۔ ہمارے لئے اکیلے بھارت سے کشمیر چھیننا ممکن نہیں چہ جائیکہ عالمی برادری اور سپر طاقتیں اس کی پشت پر ہیں لہٰذا سارا کشمیر حاصل کرنے کے لئے تو پھر یا تو خود سپر پاور بننے تک انتظار کرنا ہوگا' چاہے اس میں صدیاں لگ جائیں اور وہاں مکمل طور پر چھیڑ چھاڑ بند کر دینی چاہئے یا پھر زمینی حقائق اور عالمی حالات کا ادراک کرتے ہوئے جو مل جائے اس پر صبر شکر کرنا چاہئے تاریخ عالم پر نگاہ ڈالیں تو اس حقیقت کے اعتراف کے سوا چارہ نظر نہیں آتا کہ قوت کا عدل پر غلبہ رہا۔

سانحہ 71ء کے یقیناً بہت سے عوامل تھے لیکن ایک بات یہ بھی تھی کہ بھارت 1965ء کے واقعات کا اعادہ نہیں چاہتا تھا۔ وہ پاکستان کو عملی طور پر باور کروانا چاہتا تھا کہ وہ اس قابل نہیں کہ بھارت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کی جرأت کرے۔ لہٰذا پاکستان کو حق و انصاف اور اقوام متحدہ کی 1948ء کی قراردادوں کو فراموش کر کے موجودہ حالات کے تناظر میں کسی بھی دوسرے فارمولے کو یکسر مسترد نہیں کرنا چاہئے۔ یہ ایک عرصہ سے راقم کی سوچی سمجھی رائے ہے اور وقت گزرنے سے پختہ تر ہوگئی ہے۔ البتہ راقم اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اُن حضرات کی خدمت میں چند گزارشات ضرور پیش کرے گا۔ جو کہتے ہیں کہ چونکہ مسلم لیگ ہندو نے خود یہ مطالبہ کیا تھا کہ ہندوستان میں جو ریاستیں ہیں اُن کے عوام نہیں بلکہ والیان ریاست فیصلہ کریں گے کہ وہ اپنا الحاق پاکستان سے کرنا چاہتی ہیں یا بھارت سے۔ جب مہاراجہ کشمیر نے بھارت سے الحاق کا فیصلہ کر لیا تو اب پاکستان کے پاس کیا جواز ہے کہ وہ کشمیر پر اپنا حق جتائے۔

حقیقت یہ ہے کہ کسی سودے یا معاہدے کے معاملے میں جو بات فائنل ہو وہی فیصلہ کن ہوتی ہے۔ اگر اس معاملے میں آخر تک کوئی تبدیلی واقع نہ ہوئی ہوتی تو یقیناً پاکستان کا کشمیر پر کوئی حق نہیں رہ جاتا تھا لیکن صورت حال مختلف ہے پہلی بات تو یہ ہے کہ اگرچہ مہاراجہ کشمیر نے بھارت کے ساتھ الحاق کے حوالہ سے زبانی رضامندی کا اظہار کیا تھا لیکن جب بھارت نے الحاق کے سودے پر دستخطوں سے پہلے ہی اپنی افواج کشمیر میں داخل کر دیں تو مہاراجہ کو ناگوار گزرا بعض محققین کا دعویٰ ہے کہ مہاراجہ نے دستخط کرنے سے انکار کر دیا تھا وہ بھارت کو چیلنج کرتے ہیں کہ اگر بھارت کے ساتھ الحاق کی مہاراجہ کی دستخط شدہ دستاویز ہے تو وہ منظر عام پر لائے۔

راقم یہ فرض کر لیتا ہے کہ یہ تحقیق غلط ہے اور بھارت کے پاس مہاراجہ کے اصلی دستخط شدہ الحاق کی دستاویز موجود ہے (اگرچہ بھارت بار بار کے چیلنج کے باوجود یہ دستاویز منظر عام پر نہیں لایا) حقیقت یہ ہے کہ تقسیم ہند ایک پیکج کے

تحت ہوئی تھی جیسا کہ ہر کوئی جانتا ہے کہ پاکستان مسلم اکثریت کے علاقوں پر مشتمل ہوگا اور بھارت بقایا علاقوں پر مشتمل ہوگا۔ والیانِ ریاست کا ریاست کے الحاق کے بارے میں فیصلہ بھی اسی پیکج کا حصہ بنا۔ لیکن ریڈکلف ایوارڈ کے ذریعے گورداس پور بھارت کو دے کر اس پیکج کی دھجیاں اڑا دی گئیں۔ اگرچہ والیان ریاست کو الحاق کا فیصلہ کرنے کا حق دینے کا فیصلہ انتہائی غلط تھا لیکن عین ممکن ہے کہ قائداعظم اور مسلم لیگی قیادت کا خیال ہو کہ بھارت کے پاس تو کشمیر سے زمینی رابطے کا کوئی ذریعہ ہی نہیں ہوگا لہٰذا کشمیر کا بھارت کے ساتھ الحاق کیسے ممکن ہے۔ بہرحال بھارت کی طرف سے اس معاہدے کی یہ پہلی خلاف ورزی تھی اور یہی خلاف ورزی 1948ء کی جنگ کی بنیاد بنی۔ اسی وجہ سے قائداعظم نے اپنے انگریز کمانڈر انچیف کو کشمیر پر حملہ کرنے کا حکم دیا لیکن اس نے حکم عدولی کی۔ اب بھارت بھاگتا ہوا اقوام متحدہ پہنچا۔

استصواب رائے کی قراردادوں کو یقینی طور پر کشمیر کے بارے میں پاکستان اور بھارت کے درمیان ہونے والا دوسرا معاہدہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ بھارت ان قراردادوں سے کیسے منحرف ہوا۔ پھر شملہ معاہدہ ہوا جس کے مطابق دونوں ممالک تنازعات کو باہمی طور پر طے کرنے کے پابند تھے۔ لیکن ابھی شملہ معاہدے کی سیاہی بھی خشک نہیں ہوئی تھی کہ بھارت نے اُن دو پہاڑیوں پر جبراً قبضہ کر لیا جو شملہ معاہدے کے تحت آزاد کشمیر کا حصہ تھیں۔ پاکستان کی مجرمانہ غفلت اور خامشی سے اس نے فائدہ اٹھایا اور ضیاء الحق کے دور میں سیاچین پر بھی قبضہ کر لیا جسے بھارت تسلیم کرتا تھا کہ پاکستان کا حصہ ہے۔ لہٰذا یہ بات نہیں ہے کہ پاکستان کا کشمیر کا مقدمہ کمزور ہے حقیقت یہ ہے کہ پاکستان خود کمزور ہے اور کمزور کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا کہ وہ زبردست کا جبر قبول کرے یا اپنے ضعف کو قوت میں تبدیل کرے تاکہ حق وصول کر سکے۔

صدر مشرف نے جو فارمولہ پیش کیا ہے اس کے مطابق بھی سات ریجن میں سے پانچ ریجن کا مذہبی اور جغرافیائی تعلق پاکستان سے جڑتا ہے۔ اللہ کرے کہ بھارت اس حقیقت کو تسلیم کر لے۔ راقم کشمیر کے مسئلہ کے ہر اُس حل کی تائید وحمایت کرے گا جس میں کچھ دو اور کچھ لو کو بنیاد بنایا جائے۔ امریکہ کی بلاواسطہ یا بالواسطہ مفاد نہ ہو اس لئے اقوام متحدہ کا ذکر بھی سوچ سمجھ کر ہونا چاہئے۔ بہرحال راقم اولاً صدر پرویز مشرف کی توجہ اس طرف مبذول کروانا چاہتا ہے کہ یہ کہہ کر کہ پاکستان کشمیر کے معاملے میں تجاویز دے عیار بنیا ماضی کی طرح پھر پاکستان کو ہاتھ نہ دکھا رہا ہو۔ اس لئے کہ بقول مشرف کہ خود ہندوستانی وزیراعظم نے انہیں کہا ہے کہ وہ کشمیر کے بارے میں تجاویز دیں اور اب کہہ دیا ہے کہ ایسی باتیں میڈیا کے سامنے کرنے والی نہیں ہوتیں۔

راقم کی رائے میں 1948ء میں اقوام متحدہ میں جانا اور چین بھارت جنگ کے دوران بھٹو سورن سنگھ مذاکرات پر آمادہ ہونا یہ سب وقت گزاری کے لئے تھا۔ اس وقت بھی ایک طرف مذاکرات کا ڈول ڈالا ہوا ہے اور دوسری طرف پاک افغان سرحد پر بھارت نے تین ایسے قونصل خانے کھولے ہیں جہاں قونصل خانے کھولنے کا معاشی اور سیاسی لحاظ سے کوئی تک نہیں تھا۔ بعض دور بین لوگ تو پہلے ہی قبائلی علاقے میں ہونے والی گڑبڑ اور قبائلی عوام اور فوجی حکومت میں تصادم میں تیسرا ہاتھ ہونے کا خدشہ ظاہر کر رہے تھے۔ لیکن چند روز پہلے ISPR کے ترجمان جنرل شوکت نے اس بات پر تشویش کا اظہار کیا ہے کہ ایک رات میں پاک افواج پر 42 راکٹ داغنا قبائلیوں کے بس کی بات نہیں ہے یہ کچھ دال میں کالا ہے۔

سکیم یہ معلوم ہوتی ہے کہ پاکستان کو اپنی شمال مغربی سرحد پر اس قدر الجھا دیا جائے اور امریکہ کے تعاون سے اس پر اتنا دباؤ ڈالا جائے کہ اسے کشمیر وغیرہ سب بھول جائے۔ آخر اس کی بھی تو کوئی وجہ ہوگی کہ امریکہ کے صدارتی الیکشن سے چند دن پہلے اسامہ بن لادن کی جو ویڈیو ٹیپ ملی ہے جس میں اس نے نائن الیون کے سانحہ کی ذمہ داری قبول کی ہے اور امریکہ میں خون کی ندیاں بہانے کا ذکر کیا ہے وہ بھی پاکستان میں کہیں زمین پر پڑی ہوئی ملی ہے یعنی یہ ٹیپ آسمان سے نازل ہوئی ہے اور پاکستان کی زمین سے برآمد ہوئی ہے۔ بش انتظامیہ اس کوشش میں ہے کہ عین صدارتی الیکشن کے موقع پر ثابت کر دیا جائے کہ Pre-emptive Attack (قبل از وقت اور پیشگی حملہ) کی پالیسی بالکل درست ہے اور اگر امریکی عوام نے اس پالیسی کی توثیق نہ کی تو امریکہ کی سلامتی کو شدید خطرہ لاحق ہو جائے گا۔

راقم کو یقین ہے کہ یہ ویڈیو ٹیپ سب فراڈ ہے اور جدید ترین ٹیکنالوجی کا کارنامہ ہے۔ ویڈیو ٹیپ کے بارے میں یہ کہنا کہ پاکستان سے ملی ہے سازش کا حصہ ہے۔ اُدھر بھارتی اخبارات نے دعویٰ کر دیا ہے کہ جو دھماکہ خیز مواد عراق سے غائب ہوا ہے وہ پاکستان پہنچ چکا ہے۔ اس صورت حال کا تذکرہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ کشمیر کا مسئلہ جہاں اتنی دیر سے اٹکا ہوا ہے مزید کچھ دیر لٹک جائے تو کوئی فرق واقع نہیں ہوگا ہمیں پاکستان کی داخلی سلامتی اور اس کے اقتدار اعلیٰ کی حفاظت کا اصل مسئلہ درپیش ہے۔ ہماری شمال مغربی سرحد پر سازشوں کا جو جال بچھایا جا رہا ہے اُس کے داخلی سطح پر اتحاد و اتفاق کی کیفیت پیدا کئے بغیر مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔

میاں شریف کی وفات نے ایک موقع پیدا کیا تھا کہ اسے باہمی رنجش کو دور کرنے کا ذریعہ بنایا جا سکے لیکن افسوس صد افسوس کہ حکومت نے پوری شریف فیملی کو پاکستان آنے کی اجازت نہ دے کر ایک سنہری موقع کھو دیا۔ افسوس ناک بات یہ ہے کہ واجپائی کے اسلام آباد آنے پر گھی کے چراغ جلائے جاتے ہیں۔ من موہن سنگھ اور سونیا گاندھی سے مفاہمت کی شدید تڑپ موجود ہے۔ راقم کو اس پر بھی کوئی اختلاف نہیں لیکن نواز شریف اور بے نظیر سے مذاکرات اور مفاہمت کی کہیں زیادہ ضرورت ہے۔ کیا وہ ہمارے مسلمان اور پاکستانی بھائی نہیں ہیں۔ سیاسی اختلافات کے باوجود ہم اس رشتے کو کیسے فراموش کر سکتے ہیں اور سو باتوں کی ایک بات یہ ہے کہ آپ اُن کی عوامی مقبولیت اور اپنی غیر مقبولیت سے کیسے انکار کر سکتے ہیں جو اندھوں کو بھی نظر آ رہی ہے۔ عوامی حمایت سے منہ موڑ کر آپ خارجی خطرات سے کیسے نمٹ سکیں گے۔ کیا ہم 71ء کے سانحہ سے سبق حاصل نہیں کریں گے۔

آصف زرداری، یوسف گیلانی اور جاوید ہاشمی نے کون سا ایسا جرم کیا ہے جس سے مسلم لیگ (ق) کے اسمبلی میں بیٹھے ہوئے معزز اراکین بچے ہوئے ہیں۔ صدر مشرف کی پاکستانیت اُن کی حب الوطنی کا راقم کو اعتراف ہے۔ لیکن ان صفات کا اصل امتحان یہ ہے کہ اپنی ذات اور اقتدار سے بلند ہو کر وطن عزیز کے لئے سوچیں اور فیصلہ کریں سیاست دانوں خصوصاً نواز شریف اور بے نظیر کو بھی زمینی حقائق اور عالمی صورت حال کا ادراک کر کے جنرل مشرف کے ساتھ معاملات طے کرنے چاہئیں کسی فوجی کو حکمران ہونا چاہئے یا نہیں الگ مسئلہ ہے جنرل مشرف اس وقت پاکستان کے حکمران ہیں انہیں کوئی سیاست سے نہیں نکال سکتا۔ اس کے لئے بڑی زبردست عوامی تحریک کی ضرورت ہے۔ جو اولاً تو برپا ہی نہیں کی جا سکتی اور اگر ایسے نازک موقع پر کوئی عوامی تحریک چل پڑی تو سیاست دانوں کو اقتدار ملتا ہے یا نہیں ملک کے لئے تباہ کن ہوگی۔ یہی وقت قومی مفاہمت کا ہے اور گیا وقت ہاتھ آتا نہیں۔ کشمیر کی ہمیں ضرورت ہے لیکن موجودہ پاکستان کی اس سے زیادہ ہے۔

امریکہ میں بش آئے یا کیری اگلے صدارتی دور میں پاکستان پر فیصلہ کن ضرب لگائی جائے گی۔ میری سیاسی بصیرت پکار پکار کر یہ کہہ رہی ہے (واللہ اعلم)

ضرورت رشتہ

شیخ صدیقی فیملی (اُردو سپیکنگ) سے تعلق رکھنے والی 30 سالہ تعلیم آئی کام امور خانہ داری میں ماہر لڑکی کیلئے دینی مزاج کے حامل لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔

رابطہ: حافظ زوہیب طیب فون 03-5869501

0300-4293094

سحری و افطار کیسے کریں؟

حکیم سعید مرحوم

سال گزشتہ ماہ رمضان المبارک ہمیشہ کی طرح بہ ہر اعتبار باعث رحمت و برکت تھا۔ نزول و تکمیل قرآن کا یہ ماہِ مبارک عالم اسلام کے لئے من حیث المجموع برکات کا پیغام لاتا ہے اور رحمتوں کی فراوانیاں اس کی خصوصیت ہے۔ فطرت انسانی کے سارے جوہر بیدار ہو جاتے ہیں اور ہر انسان کہ جو عبادت روزہ سے سرشار ہوتا ہے طمانیت قلب سے سرفراز ہوتا ہے۔

ایک نہایت دلچسپ' نہایت درجہ قابل غور یہ حقیقت ہے کہ خوش خوراک اور پُرخور انسان اپنی ذہنی توانائیوں سے محروم ہو جاتا ہے بلکہ کند ذہن ہو جاتا ہے۔ میرا انداز فکر یہ ہے کہ پُرخور انسان وہی ہوتا ہے کہ جس کا حافظہ کمزور ہوتا ہے اور ذہن جس کا ماؤف ہوتا ہے۔ ذرا اس حقیقت پر اس طرح غور کرنا چاہئے کہ مثلاً آپ نے ایک لقمہ شیریں نوش جان فرمایا یا آپ نے لذیذ تا فتان کے ساتھ لذیذ قورمہ تناول فرمایا۔ تو کیا یہ ایک لقمہ کافی نہیں ہے؟ اگر آپ اس کا ذائقہ یاد رکھیں تو دوسرا لقمہ یا متعدد لقمے کھانے کی ضرورت ہے! ہر بار ذائقہ تو وہی رہے گا! ذائقہ اور لذت وہی رہتی ہے مگر آپ کھا کر ہر بار بھول جاتے ہیں!

زندگی کے شب و روز موجب درس ہیں اور حیات مستعار کے لیل و نہار اس حقیقت کی طرف آپ کو متوجہ کرتے ہیں کہ اس عالم فانی میں انسان کو زندہ رہنے کے لئے غذا نوش جان کرنی چاہئے۔ کھانے اور کھائے جانے کے لئے زندہ رہنے کا انداز فکر یقیناً روح پرور نہیں ہو سکتا۔ زندہ رہنے کے لئے تناول اشیائے غذائی عین ثواب ہے' عین اعتراف سائنس ہے' عین اتباع رسول اکرم ﷺ ہے۔

اب میں اپنا ذاتی تجربہ بتاتا ہوں۔ گزشتہ سال پورے ماہ مبارک میں بجز ایک یوم میں نے پورے مہینے میں نے متنوع قسم کی غذاؤں سے پرہیز کیا۔ پورے مہینے میں نے نہ گوشت کھایا' نہ چاول کھائے اور نہ گیہوں کھایا۔ کوئی سبزی ترکاری نہیں کھائی۔ کوئی دہی بڑا پکوڑا نہیں کھایا۔ ایک دن بھی میں نے قورمہ نوش جاں نہ کیا' نہ تافتان اور نہ شیرمال اور نہ روٹی' نہ پلاؤ اور نہ بریانی' نہ چٹنی نہ اچار۔ پھر کیا کھایا؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ میں نے پورے ماہ رمضان المبارک میں ابلی ہوئی نمکین چنے کی دال' کھجوریں اور بہ قدر ضرورت دودھ استعمال کیا۔ ابلی ہوئی چنے کی دال میں چند کھجوریں توڑ کر ڈالیں اوپر سے دودھ ڈالا' افطار و سحر' یہ میری من بھاتی غذا تھی۔ پورے مہینے' چنے کی دال پاکستان کے دوست کاشت کار نے پیدا کی۔ کھجوریں اندرون سندھ کی نہایت اچھی پیداوار ہے۔ دودھ درآمد کردہ نہ تھا' اس لئے کہ اس کے دودھ ہونے میں اور حلال میں شبہ ہے۔ دودھ پاکستان کی خوبصورت گائے نے دیا تھا۔ وہ گائے جسے ہم روزانہ ذبح کر کے کھا جاتے ہیں اور دودھ باہر سے منگواتے ہیں!

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ پورا رمضان المبارک بہ عافیت تمام گزرا۔ ایک دن تہجد ہاتھ سے نہ گئی۔ کوئی ایک نماز قضا نہ ہوئی۔ کوئی ایک تراویح ادا ہونے سے نہ رہی۔ پورے مہینے کی شام ورزش کے لئے ٹینس جاری رہی۔ کسی ایک دن ہاضمہ خراب نہ ہوا۔ پورا مہینہ چاق و چوبند رہا۔ کاہلی اور سستی قریب نہ آئی۔

عید کی صبح آئی۔ میں نے اپنی نواسی ماہم (ماہ نیم ماہ) سے کہا: ماہم ذرا وزن کرنے کی مشین لاؤ۔ دیکھتا ہوں کہ وزن دس پاؤنڈ کم ہوا یا بارہ۔ مشین پر کھڑا ہوا۔ حیرت انگیز طور پر معلوم ہوا کہ ساڑھے چھ پاؤنڈ وزن بڑھ گیا ہے!

میرے ہم وطنو! آپ غور فرمایئے کہ آپ کو کیا کرنا چاہئے' میں آپ سے اپنا تجربہ دہرانے کے لئے نہیں کہتا۔ مگر صرف اس قدر کہتا ہوں کہ روح روزہ و رمضان یہ ہے کہ انسان غذا کو کم کرے۔ اپنے اندرون کو خالی رکھے تا کہ نور معرفت نظر آئے۔ لقمہ حلال کے وقت یہ خیال ذہن سے ماورا نہ ہو کہ پاکستان میں لکھوکھا غریب فاقے کرتے ہیں۔ کھاتے وقت یہ بات ذہن میں موجود ہو کہ ہم مقروض ہیں اور ہماری غذائی اشیاء مثلاً چائے' دودھ' گیہوں' گوشت' آلو پیاز' ٹماٹر' دالیں درآمد کرنے پر ارب ہا روپیہ خرچ ہو رہا ہے۔ ہمیں قرض دے کر اقوام غیر' طاغوتی طاقتیں' یہود و نصاریٰ ہماری گردنوں میں غلامیوں کے طوق لٹکا رہے ہیں۔ ہماری خودی اور خود داریاں چھین رہے ہیں۔ ہماری عزت و ناموس کو تباہ کر رہے ہیں۔

اللہ سبحانہ تعالیٰ اس ماہ رمضان المبارک کو پاکستان کے لئے مبارک فرمائیں اور آپ کے لئے اس مہینے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکات نازل ہوں۔ میرے عظیم نوجوانوں اور نوجوانوں پر رحمتوں کی بارشیں ہوں۔ ہم ایثار کر کے قرضوں سے نجات حاصل کریں۔ ہم غلامیوں کے طوق اتار کر پھینک دیں۔ آزادی کی روح پرور فضاؤں میں سانس لیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے (حدیث)

رمضان المبارک کے موقع پر مرکزی خدام القرآن لاہور اور قرشی انڈسٹریز کی خصوصی پیشکش

بیان القرآن CDs

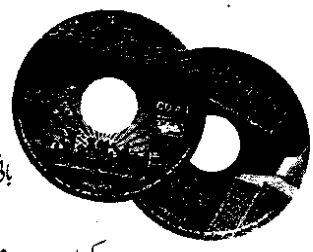

مقرر:

ڈاکٹر اسرار احمد

بانی تنظیم اسلامی و صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

2-CDs میں قرآن مجید کا مکمل ترجمہ اور مختصر تشریح

108 گھنٹے کی آڈیو MP3 Format میں

صرف 20 روپے میں

نوٹ: یہ پیشکش صرف عید الفطر تک ہے

قرآن اکیڈمی، 36-K ماڈل ٹاؤن لاہور۔ فون 3-5869501 (92-42)

ای میل: maktaba@tanzeem.org

اسباب تحریک ریشمی رومال

سید قاسم محمود

پچھلی قسط میں بتایا جا چکا ہے کہ 1857ء کے بعد جہاں انگریزوں کی وحشت و بربریت عروج پر پہنچی' وہیں مسلمانوں کی بے کسی اور مظلومیت نے دردمند علماء کو جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ ''غدر'' کے ہولناک واقعات سے وہ پہلے ہی آزردہ اور غمگین تھے۔ علماء میں سے بعض تو انگریزوں کے خون کے پیاسے تھے۔ اُن کے جذبات مشتعل ہونے کا ایک نمایاں سبب یہ بھی تھا کہ شاہ ولی اللہ کے ''مدرسۂ رحیمیہ'' کی عمارت' توپوں سے اڑا دی گئی تھی' حالانکہ اس مدرسے کی دینی و ملی اہمیت کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوگا کہ یہ شاہ عبدالعزیزؒ کی تحریک آزادی کا مرکز رہی۔ اس مدرسے سے نواب وزیر الدولہ والیٔ ٹونک' مفتی محمد ابن احمد ٹونکی' مولانا محمد قاسم نانوتوی (بانیٔ دارالعلوم دیوبند) مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا فضل حق خیر آبادی جیسے اہل علم تعلیم پا کر نکلے۔

انگریزوں کا خیال تھا کہ صرف مسلمانوں ہی کو ظلم کا نشانہ بنایا جائے اور انہیں اس قابل نہ چھوڑا جائے کہ وہ پھر کبھی ابھر سکیں۔ حکومت برطانیہ اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھی کہ حکومت کے خلاف مستحکم اور موثر جدوجہد میں ہمیشہ مسلمان ہی پیش پیش رہے ہیں' اور آئندہ بھی مسلمان ہی پیش قدمی کریں گے۔ حال ہی میں جو عظیم الشان تحریک سید احمد شہید نے چلائی تھی' وہ سراسر مسلمانوں ہی کی تحریک تھی اور اس کے سرخیل رہنما مجاہد اور بہادر علماء تھے' جنہوں نے مسلمانانِ ہند میں بیداری کی ایک نئی روح پھونک دی تھی' لہٰذا اُن میں سے بیشتر رہنماؤں پر جھوٹے مقدمے چلائے گئے اور انہیں پھانسیاں دی گئیں۔ ایسے مشاہیر میں مولانا فیض الحسن بدایونی' شاہ عبدالقادر دہلوی' قاضی فضل اللہ دہلویؒ مولوی وزیر خان اکبر آبادی' سید مبارک شاہ رام پوری اور مولوی ولایت علی شاہ الٰہ آبادی نمایاں اور لائقِ ذکر ہیں۔ حکومت برطانیہ نے ان سب کے لئے پھانسی کے احکام صادر کئے' مگر انہوں نے اُف تک نہ کی اور مسلمانانِ ہند کی آزادی کے لئے سب پھانسی پر چڑھ کر جاں بحق ہو گئے۔ مولانا فضل حق خیر آبادی کو جہاد کے فتوے کی سزا میں کالے پانی کی سزا دی گئی۔ وہیں مولانا کا انتقال ہوا۔

ہندوستان میں خیر آبادی مکتبہ فکر اپنے زمانے میں بہت معروف ہوا۔ اس سلسلۂ فکر نے برعظیم کے گوشے گوشے میں گہرا اثر قائم کیا تھا۔ مسلمانوں کی ایک معقول اکثریت اس کی مقلد بنی۔ اس لئے مولانا بھی ''امام'' فضل حق خیر آبادی کہلاتے ہیں۔ عدالت مولانا پر جرم ثابت نہیں کر سکی تھی۔ جس مخبر کو بھری عدالت میں مولانا کے خلاف پیش کیا گیا' اس نے مولانا کو پہچاننے سے انکار کر دیا تھا' لیکن خود مولانا نے نہایت جرأت کے ساتھ اقرار کیا اور اپنے فیصلے اور فتوے کا دوبارہ اعلان کیا۔

ایڈورڈ تھامس نے گواہی دی ہے کہ صرف دہلی شہر میں پانچ سو علماء تختۂ دار پر لٹکائے گئے۔ مولانا حاجی امداد اللہ کے قریبی ساتھی مولانا رمضان بھی اسی جنگ میں شہید ہوئے۔ البتہ حاجی امداد اللہ اور شاہ عبدالغنی خفیہ طریقے سے ہجرت کر کے مکہ معظمہ پہنچ گئے۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی کی گرفتاری کے لئے بھی کئی وارنٹ جاری ہوئے' مگر وہ روپوش ہو گئے تھے۔ بعد میں بعض سفارشوں کی وجہ سے یہ وارنٹ کالعدم قرار دیئے گئے۔ مولانا رشید احمد گنگوہی چھ مہینے گرفتار رہنے کے بعد رہا ہوئے۔ اُس زمانے میں یہ دونوں حضرات جوان اور کم عمر تھے۔ پھر یہ کہ ان کی سرگرمیاں زیادہ نمایاں نہ تھیں' لہٰذا یہ لوگ کڑی سزاؤں کے مستحق نہیں ٹھہرائے گئے۔

اسلامی ممالک پر زبردست یورش

علماء سے نمٹنے کے بعد انگریزوں نے یکے بعد دیگرے مسلمان حریت پسندوں' مجاہدوں اور مسلم ریاستوں کا قلع قمع کرنے کا کام شروع کیا۔ 1895ء میں انہوں نے ریاست چترال پر حملہ کیا اور اس پر اپنا قبضہ جمایا۔ 1885ء میں کابل پر حملہ کیا اور اس کے بعد وہ سرحدی مجاہدین پر مسلسل یلغار کرتے رہے۔ اسی طرح مشرقِ وسطیٰ میں مسلمان حکومتوں کو آپس میں لڑا کر اور گھناؤنی سازشیں کر کے تمام علاقے زیر اقتدار لے آئے۔ پھر نہر سویز پر اُن کا قبضہ ہوا۔ انگریزوں نے 1882ء میں اسکندریہ میں بمباری کی۔ بعد میں مصر اور سوڈان فتح کر کے اسے اپنا ایک صوبہ بنا لیا۔ 1904ء میں انگریزوں نے اپنی عیاری سے ترکی کے خفیہ طور پر حصے بخرے کئے اور جلد ہی اُسے اپنی عمل داری میں لے آئے۔ 1907ء میں ایران کے خلاف سازشیں کی گئیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایران کی تقسیم کی گئی۔ شمالی ایران روس کو ملا۔ جنوبی ایران پر انگریزوں نے اپنا تسلط قائم کر لیا۔ 1912ء میں سرویا' مونٹی نیگرو' یونان اور بلغاریہ نے روس کے اشارے پر آپس میں گٹھ جوڑ کر لیا۔ پھر سب نے مل کر بلقان پر حملہ کیا جو اُس وقت سلطنت عثمانیہ کا حصہ تھا۔ یہی وہ جنگ بلقان ہے جس میں ہندوستان کی ساری تحریکوں نے مالی اور اخلاقی طور پر بلقان کی مدد کی' ورنہ اس سے پہلے ہندوستان کسی سیاسی تحریک میں کھل کر حصہ لینے کے قابل نہ تھا۔ اسی امداد کے سلسلے میں مولانا محمد علی جوہر اور ڈاکٹر انصاری وغیرہ کا ایک وفد ترکی گیا اور اس طرح دوسرے مسلم ملکوں سے مسلمانانِ ہند کے تعلقات قائم ہوئے۔ اُسی زمانے میں علمائے ہند کی نظر میں ترکی (خلافت عثمانیہ) کی طرف اٹھیں۔ کیونکہ سلطنت صفوی اور سلطنت مغلیہ کا صفایا ہو چکا تھا۔ صرف ایک سلطنت عثمانیہ مسلمانوں کی آخری اُمید باقی رہ گئی تھی اور وہ بھی سسک رہی تھی۔

اس سے پہلے 1908ء میں ترکی میں انقلاب رونما ہوا۔ انور پاشا کی قیادت میں ترک فوجیوں نے ایک تنظیم بنائی جس کا نام ''اتحاد المسلمین'' تھا۔ اس تنظیم کا اولین مقصد یہ تھا کہ ملک میں بادشاہت اور ملوکیت کے نظام کے باعث جو بدنظمی اور طوائف الملوکی پھیلی ہوئی ہے' اُسے جمہوری نظام قائم کر کے دور کیا جائے اور مسلمانوں کا خلیفہ' جو یورپی ملکوں کے ہاتھوں میں محض ایک کٹھ پتلی بنا ہوا ہے' اُس کے اختیارات محدود کر دیئے جائیں۔ چنانچہ اس تنظیم نے 1908ء میں اصلاحات کے پروگرام کا اعلان کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ تنظیم حکومت پر قابض ہو گئی۔ بادشاہ کے اختیارات محدود کر کے نظامِ حکومت اپنے قبضے میں لے لیا۔ انور پاشا اپنی قائدانہ صلاحیت اور شہرت کے باعث مسلمانانِ ہند کا بھی ہیرو ہو گیا۔ اب ہندوستان کے مسلمانوں کی بھی امیدوں کا مرکز انور پاشا کی ذات بن گئی۔ یہی وہ وقت تھا جب ہندوستان کے حریت پسند علماء نے انگریزوں کے خلاف آزادی کی اور یوں تجدید و احیائے اسلام کی ایک بڑی تحریک چلانے کا عزم کیا۔ اس تحریک کو بعد میں ''ریشمی رومال'' کی تحریک کہا گیا۔ اس کے اصل بانی دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس شیخ الہند مولانا محمود حسن تھے۔ اُن کی تحریک کئی اہم منصوبوں پر مشتمل تھی' جن کا یہاں اختصار کے ساتھ خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

واضح رہے کہ جب تک مولانا حسین احمد مدنی کی تالیف ''تحریک ریشمی رومال'' (مرتبہ: مولانا عبدالرحمٰن) شائع نہیں ہوئی تھی' اس تحریک کے بارے میں لوگوں کو بہت کم

واقفیت تھی۔ یہ مضمون بھی دراصل اسی کتاب سے ماخوذ و ملخص ہے:

پہلا منصوبہ: اقوام عالم کی اخلاقی امداد کا حصول

اقوام عالم کی اخلاقی امداد حاصل کرنے اور انہیں ہندوستان کے حالات سے آگاہ کرنے کے لئے شیخ الہند نے پانچ سفارتیں ترتیب دیں' جو حقیقت میں مشنری طریقہ کار سے مشابہ تھیں۔ یہ سفارتیں چین' جاپان' برما' فرانس اور برما جیسے بڑے ملکوں کو بھیجی گئیں۔ چین اور برما بھیجے جانے والے سفارتی مشن کے سربراہ مولانا مقبول الرحمٰن تھے۔ وہ صوبہ سرحد کے رہنے والے تھے اور دیوبند کے فارغ التحصیل تھے۔ اُن کے ساتھ انگریزی ترجمان کی حیثیت سے شوکت علی کو مامور کیا۔ جن کا تعلق بنگال سے تھا۔ پانچ ارکان پر مشتمل ایک سفارت پروفیسر برکت اللہ بھوپالی کی قیادت میں جاپان بھیجی گئی۔ یہ صاحب انگریزی میں ایم اے تھے۔ انگریزی کے علاوہ جاپانی' ترکی اور جرمن زبانوں پر عبور رکھتے تھے۔ چودھری رحمت علی (پنجاب) کی قیادت میں ایک سفارت فرانس بھیجی گئی۔ ان کے ہمراہ بطور مددگار رام چندر کو مقرر کیا گیا۔ چھ آدمیوں کا سفارتی مشن ہردیال کی سرکردگی میں امریکا بھیجا گیا۔ بعد میں پروفیسر برکت علی اور چودھری رحمت علی بھی فرانس سے امریکا پہنچ گئے۔

دوسرا منصوبہ: جاسوسی اور جنگی نقشوں کی تیاری

یہ منصوبہ درحقیقت دشمن کی جاسوسی اور سراغ رسانی سے متعلق تھا۔ اُن کے فوجیوں میں اپنے جاسوس مقرر کرنا اور جنگی نقشے تیار کرنا اس کا مقصد تھا۔ اصل مقصد یہ تھا کہ اگر باہر سے کوئی فوج ہندوستان پر حملہ کرے تو جنگی تیاری نقشے کے مطابق ہو جو پہلے سے بنا ہوا ہو۔ اس کام کے لئے عبیداللہ سندھی کا انتخاب کیا گیا۔ اُن کی مدد کے لئے نوجوان اور مستعد شیخ محمد ابراہیم مامور ہوئے جو بمبئی کے رہنے والے تھے اور گریجویٹ تھے۔ انگریزی زبان پر انہیں عبور حاصل تھا۔

مولانا سندھی نے سات سال میں یہ کام مکمل کیا۔ دوسرا کام تھا دشمن کے ارادوں اور پالیسیوں کی سراغ رسانی۔ اس کے سربراہ ڈاکٹر انصاری تھے۔ اس کے علاوہ شیخ الہند نے کئی آدمی سی آئی ڈی (خفیہ پولیس) اور فوج میں بھرتی کرائے تھے جو اچھی خاصی ترقی کر کے "بظاہر" انگریز کے معتمد بن گئے تھے۔ فوج میں بھرتی ہونے کے معیار کے حوالے سے ایک صاحب کا بیان موجود ہے کہ پنجاب سے ہم کل 80 آدمی امیدوار تھے' لیکن مولانا عبیداللہ سندھی کی سربراہی میں تین ماہ کا تربیتی کورس پورا کرنے کے بعد جب امتحان ہوا تو 80 میں سے صرف 19 آدمی اس کام کے اہل قرار پائے۔ باقی نااہل تصور کئے گئے۔ انہیں آسان کام پر لگا دیا گیا۔

امتحان کامیاب ہونے والے ان صاحب کا بیان ہے: تربیتی کورس مکمل ہونے کے بعد ہم دیوبند سے دہلی بھی گئے تھے۔ وہاں پر گاندھی جی' پنڈت موتی لال نہرو' مولانا ابوالکلام آزاد' مولانا محمد علی جوہر اور ڈاکٹر انصاری سے ملاقات ہوئی تھی۔ وہاں بنگال کے ایک نوجوان رام کشن سے بھی ملاقات ہوئی تھی اور گفتگو سے معلوم ہوا کہ وہ بھی ہماری طرح ایک تربیتی کورس چاٹگام میں پاس کر کے آیا تھا۔ بعد میں جب ہم برطانوی فوج میں ملازم ہو گئے تو ایک دفعہ برما میں اُن سے ملاقات ہوئی تھی۔ اُن کی بٹالین برما سے واپس کراچی آ رہی تھی۔ اُس وقت تحریک ناکام ہو چکی تھی۔ ہم نے آپس میں مل کر اپنی ناکامی پر چند آنسو بہائے اور جدا ہو گئے۔ یہ صاحب پھر کبھی نہیں ملے۔ غرض ہم دہلی سے واپس آ کر فوج میں بھرتی ہو گئے اور اپنا کام شروع کیا۔ لیکن ہم صرف اتنے کامیاب ہو سکے کہ بعض سنجیدہ فوجیوں کو جذبۂ حب الوطنی سے متاثر کر سکے اور سرحد میں جب حاجی صاحب ترنگ زئی نے انگریز سے جنگ شروع کی تو بعض اہم معاملات کی خفیہ اطلاع انہیں پہنچاتے رہے۔ جس سے اُن کو زبردست فائدہ پہنچا۔ جب ہم صوبہ سرحد سے چلے گئے تو انہیں نقصان اٹھانا پڑا۔ جنگ کے اختتام پر بڑی مشکل سے فوج سے اپنا نام خارج کروایا"۔

(جاری ہے)

منتخب تحریکی نظم

رحمان کیانی

لالۂ آزاد کے نام

رُخ بدلنا چاہئے اب گردشِ ایام کا
کھینچ کر سر سے عمامہ چرخِ نیلی فام کا

ہے سراسر دین اور آئینِ فطرت کے خلاف
یہ نظامِ بیش و کم یہ فرق' خاص و عام کا

شہر کے عریاں تنوں میں ٹکڑا ٹکڑا بانٹ دو
شیخ صاحب کی قبائے عیش و تقویٰ نام کا

پھر کئی صدیوں سے ہے اک ضربِ لا کا منتظر
جمگھٹا کعبے میں لوگو! سیکڑوں اصنام کا

مانگتی ہیں پھر کئی بوجہل جیسی گردنیں
ایک بوسہ تشنہ لب شمشیرِ خوں آشام کا

پھر بھلا بیٹھے ہیں ظالم رسمِ دنیا ہے یہی
کل انہی کا کاسۂ سرکام دے گا جام کا

دشت و دریا میں اے آنکھ والو دیکھ لو
منزل و ساحل پہ لٹتا قافلہ اسلام کا

قبلۂ ثانی ہدف ہے قبلۂ اول کے بعد
بادۂ وزن سے مسلح مغربی اقوام کا

بادِ صحرا کی طرح اے کاش! پہنچا دے کوئی
لالۂ آزاد کو شعلہ مرے پیغام کا

اے غزالانِ حرم! اے گوسفندانِ عجم!
پیشۂ فردا ہے مسکن ضیغم و ضرغام کا

دھوم کے زمزم سے نہ رکھو کل کفن کے واسطے
دوستو پرچم بنا لو جامۂ احرام کا

یاد رکھنا آج بھی بدر و احد کی طرح سے
جو دھنی تلوار کا ہے آدمی ہے کام کا

(انتخاب: قاضی عبدالقادر)

منزل ہے کہاں تیری.....؟

چودھری رحمت علی

منبر و محراب سے اکثر تعبیر و تفسیر کی جانے والی آیۂ کریمہ وہ ہے جس میں فرمایا گیا کہ ''درحقیقت تم لوگوں کے لئے اللہ کے رسولؐ میں ایک بہترین نمونہ ہے.....'' اسوۂ رسول ﷺ سے اِدھر اُدھر ہونا انسانی خواہشات کی پیروی اور انتہائی خسارے کا سودا ہے۔ اسی وجہ سے علماء کرام کا زوردار موقف ہوتا ہے کہ کسی بھی عمل کو اسی طرح کیا جائے جیسے کہ رسولؐ نے کیا۔ رفع یدین' آمین بالجہر وغیرہ پر لمبی چوڑی بحثیں اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ البتہ ان فروعی مسائل نے ہمیں اس قدر الجھا رکھا ہے کہ ہم یہ تک ادراک نہیں کر پائے کہ جس دین کو اسلام سمجھ کر ہم آج اختیار کئے ہوئے ہیں یہ وہ اسلام ہی نہیں جو رسول ﷺ امت کے سپرد کر گئے تھے۔ سپرد کئے جانے والے دین میں خلیفۃ المسلمین کا وجود تھا' آج ہمارے اختیار کردہ دین میں نہیں اور اس وقت سے نہیں جب سے خلافت راشدہ کی جگہ ملوکیت نے ڈیرے آ جمائے۔ اس طرح سپرد کردہ دین میں اولوالامر کا وجود تھا' آج ہمارے اختیار کردہ دین میں نہیں اس لئے کہ شرعی اولوالامر میں خلیفۂ وقت کو مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے لیکن آج خلیفہ خود نہیں۔ سپرد کردہ دین میں شوریٰ کا وجود تھا' ہمارے اختیار کردہ دین میں نہیں اس لئے کہ جس خلیفۃ المسلمین کو ارکانِ شوریٰ نے مشورہ دینا ہوتا ہے وہ خود کہیں نہیں۔ زیرِ آسماں تو آج امتِ مسلمہ تک کا وجود بھی نہیں۔ مرکزیت خلیفۃ المسلمین کی وجہ سے ہی تو تھی۔ جب خلیفۃ المسلمین نہ رہا' امت' مسلم اقوام کا روپ دھار گئی جو اکثر و بیشتر باہم متصادم رہتی ہیں۔ جسدِ واحد کی مانند کا ادارہ آج دنیا میں کہیں نہیں۔ دینِ اسلام میں خلیفۃ المسلمین نہ رہا' اولوالامر' شوریٰ اور امتِ مسلمہ کی حیثیت و اہمیت ایسے ہی ہے جیسے انسانی جسم میں دل' دماغ' معدہ اور جگر کی۔ انسانی جسم کے ان چار اعضائے رئیسہ میں سے کوئی ایک بھی جواب دے جائے تو موت لازمی ہے۔ اسی طرح دین سے خلیفۃ المسلمین' اولوالامر' شوریٰ اور امتِ مسلمہ میں سے کوئی ایک جزو نکال دیا جائے تو دین' دینِ حق رہتا ہی نہیں۔ شوریٰ قسمت ایک جزو کی کیا بات جس دین کو آج ہم اپنائے ہوئے ہیں اس میں مذکورہ چاروں اجزاء نہیں۔ امتِ مسلمہ آج جن گھمبیر مسائل سے دوچار ہے' وہ اصل میں مسائل نہیں' نتائج ہیں۔ مسئلہ صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ ہمارا اختیار کردہ اسلام اس دین سے میچ ہی نہیں کرتا جو رسولؐ امت کے حوالے کر گئے تھے۔ یہ بھی ایک حقیقت کہ اللہ تعالیٰ کو ایسا اسلام قبول نہیں جو رسول ﷺ کے اسلام سے میچ نہ کرے۔ بالفاظِ دیگر جس دینِ اسلام کو بزعمِ خویش اسلام سمجھ کر آج ہم اختیار کئے ہوئے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کو ناقابلِ قبول اور بے دینی کی ایک شکل ہے۔ واقعات کی دنیا میں ہمارے ہاں آج وہی نتائج برآمد ہوئے ہیں جو بے دینی کا طرۂ امتیاز ہیں۔ مثلاً

1۔ آج کی دنیا میں کفار و مشرکین متحد ہیں تو مسلمان منتشر۔ انتشار کا تصور آتے ہی ذہن میں مذہبی فرقہ واریت کی طرف جاتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہمارے ہاں سیاسی انتشار پہلے ہوا ہے تو مذہبی فرقوں کی بھرمار بعد میں۔ نظام خلافت یعنی پوری اسلامی دنیا کی سربراہی اس خلیفۃ المسلمین کے ہاتھ کہ جس کی اطاعت بھی اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کے بعد اور تحت لازمی ہو اتحاد کی اعلیٰ ترین صورت تھی۔ عرصہ ہوا اس سے ہم اپنے آپ کو محروم کر چکے۔ رسولؐ کے ارشادِ مبارک کے مطابق وقت کے کسی بھی موڑ پر اسلامی دنیا پر دو سے زیادہ کی تو کیا بات دو خلفاء یعنی دو حکمران مسلط نہیں ہو سکتے لیکن ہمارے ہاں سیاسی انتشار پھیلا تو اس حد تک کہ آج اسلامی دنیا پر 57 حکمران مسلط ہیں۔ انتشار کی یہ بنیادی وجہ بنی ہے۔ انتشار کی دوسری وجہ امتِ مسلمہ کا دو گروہوں میں بٹ جانا ہے۔ ایک گروہ مغربیت کا دلدادہ تو دوسرا اسلام سے وابستہ رہنے کی کوشش میں ہے۔ ان دونوں گروہوں کی مختلف سمت میں پیش رفت اس تانگے کی مانند ہے کہ جس میں آگے پیچھے دو گھوڑے جتے ہوں۔ اگلا گھوڑا آگے کو کھینچے تو پچھلا پیچھے کو' نتیجہ کے طور پر پیش رفت کی بجائے جمود یا قنوطیت۔ دنیا بھر میں آج جس قدر ظلم و جور' شور و شر اور فتنہ و فساد ہے مسلمانوں کے اس باہمی انتشار کی وجہ سے ہے اور اس کی پوری ذمہ داری مسلمانوں پر عائد ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں آیا:

''جو کافر ہیں وہ ایک دوسرے کی حمایت کرتے ہیں۔ اگر تم (اے مسلمانو!) ایسا نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد برپا ہوگا۔'' (انفال: 73)

2۔ دوسرا بھیانک نتیجہ نکلا ہے تو یہ کہ اسلام کی بجائے جمہوریت و اشتراکیت جیسے انسانوں کے خود وضع کردہ نظام اختیار کر کے ہم مسلمان اپنے عقیدے' اپنی شناخت' اپنے مؤقف اور اپنے مقام سے محروم ہو چکے ہیں۔ ہماری حالت وہ ہوگئی ہے کہ کوا چلا ہنس کی چال اپنی بھی گنوا بیٹھا۔ اپنے آپ کو بڑی طاقتوں کے رحم و کرم پر چھوڑنے نے مرعوبیت و کم گشتگی کو مزید جلا دی ہے اور ہماری آج حالت درخت سے گرے اس پتے کی سی ہے کہ جو طوفانی ہواؤں کے رحم و کرم پر ہو کر اپنی سمت کا فیصلہ خود کرنے سے قاصر ہو جاتا ہے۔ ایسے میں طاغوتی طاقتوں کے لئے آسان ہو گیا کہ وہ مسلم اقوام کو نگنی کا ناچ نچائیں بلکہ جتنا وہ ناچ نچانا چاہتی ہیں ہم اس سے بھی زیادہ ناچنے کو تیار ہیں اس احمقانہ امید پر کہ اس طرح شاید ہم ان فرعونی طاقتوں کے کسی شمار میں آ جائیں۔ قرآن اس رجحان و روش کی پرزور تردید کرتا ہے' فرمایا گیا:

''اور جو منافق' اہل ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا رفیق بناتے ہیں انہیں یہ مژدہ سنا دو کہ ان کے لئے دردناک سزا تیار ہے۔ کیا یہ لوگ عزت کی طلب میں ان کے پاس جاتے ہیں۔ حالانکہ عزت تو ساری کی ساری اللہ ہی کے لئے ہے۔''

(نساء: 138-139)

3۔ جمہوریت' اشتراکیت' آمریت وغیرہ جیسے بندوں کے خودساختہ قوانین و آئین پر مبنی باغیانہ نظام دنیا بھر میں رواں دواں ہیں' اللہ کے قانون پر مبنی نظامِ خلافت کہیں نہیں۔ آزادی' آزادی کی رٹ تو عام سنی جاتی ہے' دنیا بھر کا کوئی ایک فرد بھی آزاد نہیں' اپنے جیسے بندوں کے جال میں پھنسا ہوا ہے۔

4۔ تبلیغ و دعوت اس دین کی ہو رہی ہے جو اصل نہیں اس لئے نتائج الٹے پیدا ہو رہے ہیں۔ محبت کی بجائے نفرت' اخوت کی بجائے تعصب' رجائیت کی بجائے قنوطیت' یکجہتی کی بجائے فرقہ واریت' دین داری کی بجائے بے زاری' ہے' کسی کے پاس سوچنے کی فرصت کہ آخر ایسا کیوں؟

5۔ آج ہمارے دین سے وہ برکات حاصل نہیں ہو رہی جو دورِ خلافت راشدہ کے مسلمانوں کو اس لئے حاصل تھیں کہ وہ اصل دین اپنائے ہوئے تھے۔ اس وقت عدل تھا' آج ظلم ہے۔ اس وقت امن تھا' آج فتنہ و دہشت گردی۔ اس وقت خوشحالی تھی' آج قدرتی وسائل کی فراوانی کے باوجود پسماندگی و درماندگی۔ اس وقت اتحاد تھا' آج انتشار۔ اس وقت مسلمان دنیا میں بطور غالب قوت تھے' آج مغلوب' غرضیکہ ہر برکت 180 درجے

برعکس ہوگئی ہے۔

6۔ دنیا میں مسلمانوں کے بطور غالب قوت ہونے کے لئے دو شرائط کا پورا کیا جانا ضروری ہے۔ ایک تو یہ کہ ہم مومن ہوں (آل عمران: 139) اور دوسرے یہ کہ نصرت ایزدی ہمارے شاملِ حال ہو (آل عمران: 160) دنیا میں آج مسلمان مغلوب و مغضوب ہیں تو اسی لئے کہ بے دین ہونے کی بنا پر نہ یہ مومن ہیں اور نہ ہی نصرتِ ایزدی کے حامل۔

7۔ نظامِ خلافت تو ہمارے ہاں نہیں لیکن نماز' روزے' حج' زکوٰۃ وغیرہ کی ادائیگی کسی حد تک ہے۔ ایسا کرنا کہ کتاب کے بعض حصوں پر عمل اور بعض سے روگردانی اس دنیا میں ذلت و رسوائی اور آخرت میں شدید ترین عذاب کا سبب ہے (بقرۃ: 85) دنیا بھر میں آج مسلمان ذلت و رسوائی سے دوچار ہیں۔ اسی ایک سبب سے۔

8۔ جب قرآن مجید نازل ہو رہا تھا تو یہود و نصاریٰ کی اس وقت کم و بیش وہی حالت تھی جو آج ہماری ہے۔ تورات و انجیل پر مبنی نظام تو انہوں نے قائم نہیں کر رکھا تھا' البتہ نماز' روزے' نکاح' طلاق' کفن دفن وغیرہ کی کوئی نہ کوئی شکل ان کے ہاں رائج تھی۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فیصلہ دیا تو یہ کہ "صاف صاف سنا دو" اے اہلِ کتاب! تم ہرگز کسی اصل پر نہیں ہو جب تک کہ توراۃ اور انجیل اور ان دوسری کتابوں کو قائم نہ کرو جو تمہارے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہیں۔" (مائدہ: 68) آج اگر وحی کا نزول ہوتا تو اللہ تعالیٰ ضرور کہتے "صاف صاف سنا دو" اے مسلمانو! تم ہرگز کسی اصل پر نہیں ہو جب تک کہ قرآن قائم نہ کرو۔"

حل اس کا اب بھی ہے کہ قرآن و سنت پر مبنی نظام خلافت کو مزید ضائع کئے بغیر جلد از جلد قائم کیا جائے۔ نظام خلافت قائم ہو جائے' خلیفۃ المسلمین' اولوالامر' شوریٰ اور امتِ مسلمہ جیسے بنیادی اجزائے ترکیبی از خود معرضِ وجود میں آ جائیں گے۔ قائم کرنے کی ایک آسان صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ تمام مسلمان سربراہان کسی ایک جگہ...... او آئی سی کے مقام پر جمع ہو کر سب سے پہلے اپنے رب کے حضور تائب ہوں۔ پھر اپنے میں سے ایک اہل تر کو خفیہ رائے دہی کے ذریعہ خلیفۃ المسلمین چن لیں' باقی صوبوں (موجودہ مسلم ممالک) کے گورنر بن جائیں۔ اسلام کی عظیم تر مملکتِ واحدہ کو معرضِ وجود میں لایا جائے جس کا نام "دارالسلام" تو آئین قرآن و سنت ہو۔ پوری اسلامی دنیا ایک جھنڈے تلے یعنی ایک خلیفہ کی سربراہی میں آجائے گی تو دیکھتے ہی دیکھتے ان شاء اللہ کایا پلٹ جائے گی۔ مسلم عوام کے کرنے کا کام یہ ہے کہ وہ کسی طور پر اپنے ان سربراہان کو یہ "ایک کام" کرنے پر آمادہ کر دیں۔

پریس ریلیز

23 مئی 2004ء

اسلام میں انسانوں کی حاکمیت' سیکولرازم اور نیشنلزم کی کوئی گنجائش نہیں۔ یہ اسلام کی ضد اور کلی نفی ہیں' انہوں نے کہا کہ پاکستان کے آئین میں پورا اسلام موجود ہے۔ مگر اس پر عمل درآمد کا کوئی نظام یا طریقہ کار تجویز نہیں کیا گیا جس کی وجہ سے یہ منافقت کا پلندہ بن کر رہ گیا ہے۔ جنرل ضیاء مرحوم نے وفاقی شرعی عدالت قائم کر کے اس رخ پر پیش رفت کی کوشش کی تھی مگر چونکہ وہ نیم دلانہ اور ادھوری تھی اس لئے کوئی نتیجہ برآمد نہ ہو سکا۔ یہ بات صدر مؤسس انجمن خدام القرآن اور بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے خلافت کے عنوان سے قائداعظم لاء کالج لاہور کے طلبہ و طالبات سے خطاب کرتے ہوئے کہی۔

ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ اسلام میں ہر مسلمان سپاہی ہے' جسے بوقت ضرورت طلب کیا جاسکتا ہے۔ موجودہ طرز کی افواج کا مغربی تصور ہمیں برطانوی راج سے ورثہ میں ملا ہے جو ملکی معیشت پر ایک غیر ضروری بوجھ ہے۔ اسی طرح کی افواج ان ملکوں کی ضرورت تو وہ سکتی ہے جو دوسرے علاقوں پر ناجائز قبضہ کر کے اپنا تسلط قائم رکھنا چاہتے ہیں' ہماری نہیں۔ ہمیں چین کی طرز پر عوامی فوج قائم کرنی چاہئے۔ اسی طرح ہم نے پارلیمانی نظام' صوبوں' اور جاگیرداروں کو تقدس کا درجہ دے رکھا ہے حالانکہ امریکا کا وفاقی صدارتی نظام عملاً دنیا کا بہترین سیاسی نظام ہے۔ جسے اپنا کر بہت ساری پیچیدگیاں دور کی جاسکتی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ جب تک یہاں جاگیرداری اور سودی نظام کا خاتمہ نہیں ہوتا' اصلاح کا کوئی عمل نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوگا۔ ہماری تمام خرابیوں کی اصل وجہ یہ ہے کہ ایک مخصوص طبقہ تمام سیاہ و سفید کا مالک بن کر بیٹھ گیا ہے۔ اس سے نجات حاصل کرنے کا ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ ہے انقلاب۔ مگر نبوی طرز کا انقلاب' نہ کہ خون خرابے والا انقلاب۔ جس کے لئے ایک قیادت میں منظم' مضبوط اور پُرامن مزاحمتی تحریک کی ضرورت ہے۔

(معتمد ذاتی صدر مؤسس: سردار اعوان)

اظہارِ تشکر

چوہدری غلام محمد صاحب معتمد عمومی کی وفات پر رفقاء کی جانب سے انفرادی اور اجتماعی تعزیتی خطوط و پیغامات موصول ہو رہے ہیں۔ سب حضرات کا تذکرہ اور فرداً فرداً شکریہ ادا کرنا ممکن نہیں۔ اس تحریر کے ذریعے ہم تمام حضرات کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ یہ اطمینان رہے کہ ایسے تمام خطوط و پیغامات اُن کے بیٹوں تک پہنچ رہے ہیں۔

شعبہ نشر و اشاعت' تنظیم اسلامی

بقیہ: ہائے اس قوم کے اعصاب پر عورت سوار ہے!

ٹرانسپورٹ کے مسائل ہیں' ملازمت کے دوران ان کی عزت نفس کے تحفظ کے مسائل ہیں۔ ان پر خیال آرائی شاذ و نادر ہی ہوتی ہے۔ اس کے باوجود اس طبقے کی یہ خواہش ہے کہ حکمران پہلے اپنا فہم اسلام درست کریں۔ حالانکہ ہمارے حکمرانوں کے فہم اسلام اور ان کے فہم اسلام میں کوئی فرق نہیں۔ اصل فرق تو "روشن خیال" "ترقی پسند" مادر پدر آزاد معاشرے کے خواہش مند طبقات اور اس طبقے میں ہے جس کو گالی کے طور پر "بنیاد پرست" کا نام دے دیا گیا ہے۔ جبھی تو ہمارے حکمران خواہ وہ باریش صدر صاحب ہوں یا عوام کے دردمند چیف ایگزیکٹو سب اس نام سے اظہار براءت کرتے رہے ہیں۔ ہمارے ان نام نہاد دانشوروں کو اس کی بھی فکر نہیں کہ اسلام کے مسلمہ اصولوں کے بارے میں لوگوں میں بدظنی پھیلانے کے نتیجے میں انہیں ایک دن اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کرنی پڑے گی۔

کاش کہ یہ لوگ تقویٰ کی روش اختیار کریں!

ہائے اس قوم کے اعصاب پہ عورت ہے سوار!

محمد سمیع' کراچی

ہمارے ملک کے چند روشن خیال دانش وروں کی مجبوری یہ ہے کہ وہ اپنے گمراہ کن خیالات کا پرچار براہ راست کرنے کی ہمت تو نہیں رکھتے لہٰذا انہیں معاشرے کے ان طبقات کا سہارا لینا پڑتا ہے جن کے بارے میں خواہ مخواہ غلط قسم کی باتیں پھیلائی جاتی ہیں۔ اسلام کے اوائل میں اسے اسی قسم کے طبقات سے واسطہ پڑا تھا جن کے بارے میں قرآن یہ کہتا ہے کہ انہیں ''دیوار کے پیچھے سے سازشیں'' کرنے کی عادت تھی کیونکہ ان میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ براہ راست دین حق پر حملہ آور ہوسکیں۔ ہمارے ہاں عموماً خواتین کو دیوار کی حیثیت حاصل ہوگئی ہے' اسلام کے مسلمہ اصولوں کے خلاف بات کرنی ہو تو انہیں مظلوم بنا کر پیش کردو۔ لہٰذا ہمارے بعض نام نہاد دانشور نفاذ اسلام کی بات کرنے والوں پر یہ تنقید کرتے ہیں کہ ان کی ترجیحات میں سرفہرست عورت کو گھر میں بند کر دینا ہوتا ہے اور اگر اسے باہر رکھنے کی اجازت دی بھی جائے تو اس کے لئے برقع پہننا لازم قرار دیا جائے اور اس حکم کی خلاف ورزی پر سخت گرفت کی جائے۔ اس طرح زندگی کے شعبوں میں عورت کی عملی شرکت کی حوصلہ شکنی کی جائے۔ تو آیئے غور کریں کہ ان کے اس الزام میں کتنی صداقت ہے!

ہمارے ملک میں اسلام کی بات کرنے والے دو ہی طبقے ہیں۔ ایک وہ جو اسے اقتدار کے حصول اور دوام کا ذریعہ بناتا ہے اور دوسری مذہبی سیاسی جماعتیں۔ اول الذکر گروہ کا حال تو یہ ہے کہ وہ اسمبلیوں میں خواتین کی نمائندگی کے لئے بے تاب رہتا ہے اور اب تک اسمبلیوں میں آنے والی خواتین میں اکثر وہ ہیں جن کا پردے سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ رہا مقدم الذکر گروہ کا حال' تو ان کی کمزوری اقتدار کی کشمکش میں شرکت ہے جس کے لئے ووٹ کا حصول لازم ہے اور عورتوں کے ووٹ کی تعداد مردوں سے کچھ زیادہ کم نہیں۔ لہٰذا یہ بے چارے کبھی کھل کر یہ نہ کہہ سکے کہ ہم اقتدار میں آگئے تو عورتوں کو قرآن میں طے کردہ پردے کا پابند بنائیں گے۔ پردہ کے لئے برقع ہرگز لازم نہیں تاہم اگر پردہ دار خواتین کی اکثریت اسے استعمال کرتی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ برقع کو زیادہ ساتر اور پہننے کے معاملے میں زیادہ آسان پاتی ہیں۔ اگرچہ برقع اوڑھنے والی خواتین کو اس کے استعمال سے خاصی دشواریوں کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً یہ کہ شدید گرمی میں اسے تکلیف محسوس ہو رہی ہوتی ہے' لیکن وہ یہ تکلیف اس لئے گوارہ کرتی ہے کہ پردہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ ان تکالیف کے باوجود آج تک کسی برقع پوش خاتون نے برقع سے بیزاری کا اظہار نہیں کیا۔ لیکن ہمارے نام نہاد روشن خیال دانشور حضرات عورت کے غم میں گھلے جاتے ہیں۔ دین سے ہمارے دانشوروں کی لاعلمی کا یہ حال ہے کہ انہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ عورت کے سر کے بالوں کو بھی ستر میں شمار کیا گیا ہے گویا اس کا چھپانا اس پر اسی طرح فرض ہے جس طرح شرمگاہ کو۔ لیکن وہ اس سے بہت پریشان نظر آتے ہیں کہ عورتوں کے سر کے بالوں کو ڈھانکنے کا اہتمام کیا جائے۔

ہمارے ان دانشوروں کو چاہئے کہ وہ اگر خواتین کے اتنے ہی ہمدرد ہیں تو یہ مطالبہ کریں کہ دین کے احکام کی پابندی کے لئے عورتوں پر اتنا اصرار کیوں کیا جاتا ہے۔ پردہ تو صرف عورت پر فرض ہے جبکہ نماز مرد اور خواتین دونوں پر فرض ہے' تو مردوں کو اس بات پر تنقید کا نشانہ کیوں نہیں بنایا جاتا کہ اس کی عظیم اکثریت نے نماز ترک کر رکھی ہے۔ لیکن کیا کیا جائے کہ اس کے نتیجے میں ان دانشوروں کو بھی نماز پڑھنا پڑے گی۔ اس سے ان کے ذوق جمال کی تسکین کیونکر ہو سکے گی! یہ تو تب ہی ممکن ہے جب خواتین پردے کو خیرباد کہہ کر خاتون خانہ بننے کی بجائے شمع محفل بننے کے لئے تیار ہو جائیں۔ فی زمانہ کم از کم شہروں کی حد تک تو ان کے جمالیاتی ذوق کی پوری تسکین ہو رہی ہے کیونکہ شہری خواتین کی اکثریت ایسے ہی دانشوروں کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر پردے کو خیرباد کہہ چکی ہے۔

اسی طرح ان دین بیزار دانشوروں کا کہنا ہے کہ ہمارے ہاں نفاذ اسلام سے مراد بعض حلقوں کے نزدیک یہ بھی ہے کہ اکثر و بیشتر ثقافتی سرگرمیوں کو ممنوع قرار دے دیا جائے' ٹیلی ویژن کے اکثر پروگراموں پر خط تنسیخ پھیر دیا جائے' پرائمری سے یونیورسٹی کی سطح تک کسی بھی مرحلہ پر مخلوط تعلیم کی اجازت نہ دی جائے' طالبات اور خواتین کے کھیلوں میں حصہ لینے کی حتی الوسع حوصلہ شکنی کی جائے اور قومی زندگی کی تمام سرگرمیوں میں مرد اور عورت کی علیحدگی کو یقینی بنایا جائے۔ اصل میں اوپر بیان کردہ تمام باتوں کی تان اس آخری جملے پر ٹوٹتی ہے کہ ''قومی زندگی کی تمام سرگرمیوں میں مرد اور عورت کی علیحدگی کو یقینی بنایا جائے۔'' یہی ان حضرات کے لئے تکلیف دہ امر ہے۔ وہ تو عورت اور مرد کی علیحدگی کو رہبانیت کے مترادف سمجھتے ہیں' لیکن یہ ایک طے شدہ دینی تقاضا ہے جس کے بارے میں کسی سمجھوتہ کی کوئی گنجائش نہیں ہونی چاہئے۔ زنا جیسے قبیح فعل کے سدباب کے لئے دین نے ہر اس فعل کو ناپسند کیا ہے جو زنا کا موجب بنتا ہے۔ حضور ﷺ کا وہ ارشاد گرامی بہت مشہور ہے جس میں آنکھ' کان' پیر اور ہاتھ کے زنا کا ذکر کیا گیا ہے۔

حکمرانوں پر اللہ تعالیٰ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ عائد کیا ہے۔ عریانی وفحاشی کو منکر ہی کہا جاسکتا ہے جس کی اشاعت آج کل ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے دھڑلے سے ہو رہی ہے' حالانکہ اللہ تعالیٰ کا واضح فرمان ہے کہ جو لوگ یہ چاہتے ہوں کہ مسلمانوں میں فحاشی پھیلے ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں دردناک عذاب۔ یہ دانشور حضرات دینی حلقوں کی مثبت تجاویز کا ذکر کرنا بھی گوارہ نہیں کرتے' حالانکہ یہ تجویز آ چکی ہے کہ پرائمری کی سطح تک تدریس کو صرف خواتین کے لئے مختص کر دیا جائے۔ عورت میں مامتا کا جذبہ ہوتا ہے اور وہ اپنے اس جذبے سے کام لے کر پرائمری سطح پر مردوں سے بہتر تعلیم دے سکتی ہے۔ یہ تجویز بھی آ چکی ہے کہ جبکہ ملک میں چار صوبائی اسمبلیاں' ایک قومی اسمبلی اور ایک سینٹ موجود ہے تو اگر عورتوں کی ایک علیحدہ اسمبلی قائم کر دی جائے جہاں عورتیں عورتوں ہی کے ووٹ سے منتخب ہو کر جائیں تو کون سی قیامت آ جائے گی! بصورت دیگر اسمبلیوں میں جانے کے لئے عورتوں کی عمر کی حد پچاس سال سے اوپر کر دی جائے تو بھی خواتین کو سیاست میں عملی شرکت میسر آ سکتی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ عورتوں کے لئے الگ ہسپتال قائم کئے جائیں جہاں عورتیں ہی ڈاکٹر ہوں اور عورتیں ہی نرس۔ مرد کے ہسپتال میں مرد نرس ہوں۔ یہ کیا ضروری ہے کہ ہوائی جہازوں پر ایئر ہوسٹس ہی کو ملازم رکھا جائے اور وہ بھی غیر شادی شدہ اور اسی طرح شریعت کی دھجیاں اڑائی جائیں؟ کیا مرد حضرات یہ فریضہ انجام نہیں دے سکتے!

اصل میں ان نام نہاد دانشوروں کی ان تمام باتوں کے پیچھے وہی جمالیاتی ذوق کی تسکین کا جذبہ کارفرما ہے جس کے نتیجے میں معاشرے میں بے حیائی اور بدچلنی کو فروغ حاصل ہو رہا ہے۔ ورنہ عورتوں کے لئے رع اور بھی غم ہیں زمانے میں محبت کے سوا۔ ان کی صحت کے مسائل'

(باقی صفحہ 13 پر)

مسئلہ کشمیر پر ایک تاریخی دستاویز

قیوم نظامی

پاکستان میں تحقیقی کام پر بہت کم توجہ دی جاتی ہے۔ بھارت ریسرچ کے میدان میں پاکستان سے بہت آگے ہے۔ تنظیم اسلامی کا ادارہ ڈاکٹر اسرار احمد کی نگرانی میں تحقیقی کام کر رہا ہے۔ تنظیم اسلامی نے قرآن اور سیرت پر کئی معیاری کتب شائع کی ہیں۔ ہفت روزہ ''ندائے خلافت'' بھی تنظیم اسلامی کی جانب سے بڑی باقاعدگی کے ساتھ شائع ہوتا ہے۔ برادرم وسیم احمد نائب ناظم نشر و اشاعت تنظیم اسلامی نے اپنے گرامی نامہ کے ساتھ مجھے ہفت روزہ ''ندائے خلافت'' مسئلہ کشمیر نمبر ارسال کیا۔ خط میں تحریر ہے۔

''امید ہے آپ ایمان اور صحت کی بہترین حالت میں ہوں گے'' ندائے خلافت'' جو کہ تنظیم اسلامی کا ترجمان ہفت روزہ ہے کا زیر نظر خصوصی شمارہ ''مسئلہ کشمیر نمبر'' شائع کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس موضوع پر جو تقریروں اور بلند بانگ تحریروں کی بجائے ٹھوس حقائق و معلومات اور دستاویزات کو اس انداز میں یکجا کیا جائے کہ اہل پاکستان جنوبی ایشیا کے اہم ترین مسئلے کی تفصیلات سے بخوبی آگاہ ہو سکیں۔ امید ہے یہ شمارہ آپ بھی پسند فرمائیں گے۔ آپ کی قیمتی آراء کا انتظار رہے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔''

کشمیر پر یہ تاریخی دستاویز پاکستان کے معروف محقق اور دانشور سید قاسم محمود نے مرتب کی ہے۔ کشمیر پاکستان کی خارجہ پالیسی کا مرکزی نکتہ اور تقسیم ہند کا نامکمل ایجنڈا ہے۔ کشمیر کا تاریخی پس منظر پاکستان کے مسلمانوں کے لئے خاص طور پر اور عالم اسلام کے مسلمانوں کے لئے عام طور پر بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ کشمیر پر اس تاریخی دستاویز میں بڑی دلچسپ معلومات دی گئی ہیں۔ ہم اس خصوصی نمبر کو کشمیر کا مختصر مگر جامع انسائیکلو پیڈیا بھی کہہ سکتے ہیں۔

آیئے ہفت روزہ ''ندائے خلافت'' کے کشمیر نمبر پر طائرانہ نظر ڈالتے ہیں۔

کشمیر کا محل وقوع بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ ریاست جموں و کشمیر برا عظیم پاک و ہند کے انتہائی شمال میں واقع ہے۔ اس کے شمال میں روس' شمال مشرق میں چین' شمال مغرب میں افغانستان' جنوب مشرق میں بھارت' جنوب مغرب میں پاکستان واقع ہیں۔ گویا بین الاقوامی سیاسی اہمیت کے اعتبار سے کشمیر' روس' چین' بھارت اور پاکستان کے حصار میں ہے۔ ریاست کی 700 میل لمبی سرحد پاکستان کے ساتھ اور 350 میل لمبی سرحد بھارت کے ساتھ مشترک ہے۔ بھارت کے ساتھ مشترکہ سرحدی زیادہ حصہ پہاڑی ہے جو موسم بہار میں برف سے ڈھکا رہتا ہے اور صرف 32 میل کا علاقہ ایسا بچ رہتا ہے جو موسم سرما میں آمد و رفت کے لئے استعمال ہو سکے۔ ریاست کا رقبہ 84 ہزار 471 مربع میل ہے اس رقبے میں صرف دو میدان ہیں۔ ایک وادی کشمیر جو 84 میل لمبی ہے اور 25 میل چوڑی ہے۔ دوسرا میدانی علاقہ جموں کا ہے جو پاکستان کے میدانوں کا حصہ ہے۔ کوہ ہمالیہ کا بڑا سلسلہ جس کی اونچائی پندرہ ہزار سے چوبیس ہزار فٹ ہے ریاست کے شمال مغرب میں واقع ہے۔ عین شمال میں کوہ قراقرم ہے جو لداخ اور بلتستان کو چین کے صوبے سنکیانگ سے ملاتا ہے۔ کشمیر کا پہلا مسلمان بادشاہ سلطان صدرالدین تھا جس نے کشمیر پر 1325ء سے 1327ء تک حکومت کی کشمیر کا پہلا وزیر اعظم سلطان شاہ میر تھا جس کے شاہ میری خاندان نے 1342ء سے 1554ء تک حکومت کی' کشمیر کا پہلا کمانڈر انچیف ڈوگرہ خاندان کا آخری مہاراجہ ہری سنگھ تھا۔

کشمیر پر تاریخی دستاویز میں معاہدہ امرتسر 16 مارچ 1846ء کا متن شامل ہے جس کی بناء پر بھارت کی حکومت کشمیر پر اپنا دعویٰ کرتی ہے اس معاہدے کے مطابق سات لاکھ کشمیریوں کو سات روپے فی کشمیری کے حساب سے فروخت کر دیا گیا تھا۔ یہ معاہدہ مہاراجہ گلاب سنگھ نے انگریزوں کے ساتھ کیا تھا۔ کشمیر میں ڈوگرہ راج 1846ء سے 1947ء تک رہا۔ 1924ء میں جدوجہد آزادی کا آغاز ہوا۔ شیخ عبداللہ' چوہدری غلام عباس اور میر واعظ مولانا محمد یوسف اس جدوجہد کے نمایاں کردار تھے۔ 13 جولائی 1931ء کو تاریخ ساز بیداری کا دن تھا۔ جب عید کے موقع پر امام صاحب نے موسیٰ اور فرعون پر خطبہ دیا ان کے خلاف بغاوت کا مقدمہ درج ہوا۔ پوری وادی میں بیداری کی لہر دوڑ گئی۔ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا قیام 1931ء میں عمل میں آیا۔ جس کے پہلے صدر قادیانی جماعت کے امیر مرزا بشیر الدین محمود تھے۔ چودھری غلام عباس نے شیخ عبداللہ سے مل کر آل انڈیا جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کی بنیاد رکھی۔ جس نے 1932ء سے 1946ء تک کام کیا۔ قرارداد الحاق پاکستان 19 جولائی 1949ء کو منظور ہوئی۔

مسئلہ کشمیر پر خصوصی نمبر میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے رول نیشنل کانگریس کی حکمت عملی مہاراجہ کی پالیسی شیخ عبداللہ کے کردار' حکومت پاکستان کے احتجاج' لاہور کانفرنس 1947ء' کشمیر اقوام متحدہ میں 1948ء' اقوام متحدہ کی قرارداد کا متن' استصواب کے بھارتی وعدے' بوگرا نہرو مذاکرات 1953ء' جیل سے شیخ عبداللہ کا خط 1959ء' بھٹو سورن مذاکرات 1963' جیل سے شیخ عبداللہ کا خط 1959ء' بھٹو سورن مذاکرات 1963' پاک بھارت جنگ 1965ء' تاشقند کانفرنس 1966ء' اعلان تاشقند' شملہ معاہدہ پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

خصوصی شمارے میں اعلان لاہور فروری 1999ء' اعلان واشنگٹن 1999ء' کارگل کی جنگ' آگرہ مذاکرات جولائی 2001ء' نائن الوین سے 16 اگست تک کے سیاسی حالات کی تفصیلات' متن میں شامل ہیں۔ نامور ادیبوں اور شاعروں کی کشمیر پر نظمیں بھی شمارے میں شامل ہیں۔ حبیب جالب کی کشمیر پر نظم کے چند اشعار نذر قارئین ہیں۔

اٹھی ہوئی نگاہوں میں تم سوز یقین لے کر
امریکہ کی بندوقیں ہو جائیں گی خاکستر
پروردۂ واشنگٹن جائیں گے کہاں بچ کر
ان جنگ پرستوں سے ہے سارا جہاں برہم
کشمیر کی وادی میں لہرا کے رہو پرچم
ہر جابر و ظالم کا کرتے ہی چلو سر خم

مسئلہ کشمیر پر قائداعظم' لیاقت علی خان' جواہر لال نہرو' مولانا ابوالکلام آزاد' شیخ عبداللہ' سردار محمد ابراہیم' ذوالفقار علی بھٹو' مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور ڈاکٹر اسرار احمد کے خیالات بھی خصوصی شمارے میں شامل ہیں۔ ندائے خلافت کا کشمیر نمبر ہر لحاظ سے ایک جامع' معیاری اور دلکش تاریخی دستاویز ہے۔ تنظیم اسلامی اس خصوصی شمارے کی اشاعت پر مبارکباد کی مستحق ہے۔ پاکستان کے پڑھے لکھے شہری کا فرض ہے کہ وہ ہر اچھی کوشش کی تعریف کرے اور تعریف کا عملی طریقہ یہ ہے کہ اس خصوصی شمارے کا مطالعہ کیا جائے۔ پاکستان کی وزارت خارجہ کو کشمیر نمبر دنیا بھر میں پاکستانی سفارت کاروں کو روانہ کرنا چاہئے تاکہ ہمارے سفارت کار کشمیر کی تاریخ سے آگاہ ہو کر پورے اعتماد یقین اور دلیل کے ساتھ عالمی سطح پر کشمیر کے مسئلہ کو اجاگر کر سکیں۔ حقائق بڑے طاقت ور ہوتے ہیں بشرطیکہ ہم حقائق کو جاننے اور انہیں بیان کرنے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہوں۔ جنرل پرویز مشرف نے کشمیر کے مسئلہ کا جو ممکنہ حل پیش کیا ہے اس پر تبصرہ اور جائزہ عنقریب نذر قارئین کیا جائے گا۔

(بشکریہ: روزنامہ ''دن'')

''شاہراہ مکہ'' کا ایک باب

محاذ جنگ پر (3)

تحریر: محمد اسد' ترجمہ: محمد الحسنیٰ ندوی

اسلام کو قبول کرنے اور اس کو اپنی زندگی کا طریقہ اور نظام ماننے کے بعد مجھے یہ خیال پیدا ہوا کہ میری بحث و جستجو اپنی منزل مقصود کو پہنچ گئی ہے۔ لیکن تدریجی طور پر بہت ہی تدریجی طور پر میں نے محسوس کیا کہ وہ منزل مقصود یا غائت نہیں تھی' اس لئے کہ زندگی میں کسی عقیدہ اور طریقہ کو اختیار کرنا جہاں تک کم از کم میرا تعلق ہے اس خواہش اور اس جذبہ کے ساتھ وابستہ ہے کہ جو لوگ یہ اعتقاد رکھتے ہیں' ان کے ساتھ ہم آہنگی پیدا کی جائے صرف شخصی میدان میں نہیں بلکہ اس سوسائٹی کے (جس کو میں نے اپنے لئے پسند کیا تھا) برگ و بار لانے اور پھلنے پھولنے کے عمل کے میدان میں بھی' جہاں تک میرا تعلق ہے اسلام میرے لئے ایک راستہ تھا' منزل نہیں اور عمر المختار کے مجاہدین اسی راستہ اور اسی طریقہ پر چلنے کے لئے راہ حریت میں جنگ کر رہے تھے' ٹھیک اسی طرح جس طرح آج سے 13 سو برس پہلے صحابۂ کرامؓ نے جنگ کی تھی' اس لئے اس طویل' تلخ اور سخت جنگ میں ان کی اعانت اور مدد (خواہ نتیجہ کچھ بھی ہو) میرے لئے ایسی ہی ضروری تھی جیسی کہ نماز۔

ہم ساحل پر پہنچ گئے' پانی کے تھپیڑوں کے درمیان جو پتھروں سے لگ رہے تھے' ہماری وہ چپو والی کشتی ایک طرف کو جھک گئی جو دور تاریکی میں لنگر انداز جہاز تک پہنچانے کے لئے مقرر تھی' جب کشتی بان کھڑا ہوا تو میں نے زید کی طرف رخ کرتے ہوئے کہا۔

زید میرے بھائی! کیا آپ جانتے ہیں کہ ہم کس قسم کے خطرات کا سامنا کرنے جا رہے ہیں' شاید یہ مہم دویش کی مہم سے بھی زائد خطرناک ثابت ہو' کیا آپ کو سکون کے ساتھ شہر کے دوستوں میں بیٹھنا پسند نہیں ہے؟

جو آپ کا راستہ ہے وہی میرا راستہ ہے میرے عزیز دوست' پھر آپ ہی نے تو یہ کہا تھا کہ پانی جب ایک جگہ ٹھہرا رہتا ہے تو وہ خراب ہو جاتا ہے' ہم کو چلنے دیجئے اور پانی کو جاری رہنے دیجئے' تاکہ وہ صاف ہوتا رہے! جزیرہ عرب کے سواحل پر جن کشتیوں کا رواج ہے اسی طرح کی ایک کشتی پر ہم روانہ ہوئے' یہ صرف لکڑی کی بنی ہوئی تھی اور اس کے اندر سے سوکھی مچھلیوں اور سوار کی بو آ رہی تھی' اس کا پچھلا حصہ کچھ بلند تھا' دو ستون تھے۔ ایک مستقف بڑا کمرہ تھا' ریس ہمارے استقبال کے لئے آگے بڑھے۔ یہ مسقط کے ایک شیخ تھے' اس کی چھوٹی چمکدار سیاہ آنکھیں ایک بہت بڑے مختلف رنگوں والے عمامہ کے اندر سے جھانک رہی تھیں' ان آنکھوں کی چمک اور انداز سے یہ معلوم ہوتا کہ واقعی اس شخص کی زندگی کے نمعلوم کتنے سال خطرات کا مقابلہ کرنے اور غیر قانونی سرگرمیوں میں گزرے ہیں' ان کا خنجر جس پر چاندی کا کام تھا محض دکھاوے کے لئے نہ تھا' جب ہم کشتی پر چڑھے تو ریس نے بلند آواز سے کہا۔

خوش آمدید میرے دوست خوش آمدید' حقیقت میں یہ بہت خوشی کا وقت ہے' میں افکار و خیالات میں ڈوب گیا' کتنی بار ان ''ریس'' نے بے چارے حاجیوں کو جو حج ٹیکس سے بچنے کے لئے خفیہ طریقہ سے حجاز کے ساحل پر اترتے تھے' مصر سے حجاز پہنچاتے وقت اس استقبال اور گرمجوشی کا مظاہرہ کیا تھا اور اس کے بعد ان کی بھول کر بھی خبر نہ لی تھی۔

چار راتوں کے بعد کشتی ایک جگہ ٹھہری اور ایک چھوٹی کشتی پر ہم لوگ صعید کے ساحل پر بندرگاہ قیصر کے شمال میں اتر پڑے' ہمیں واقعی بڑی حیرت ہوئی جب ملاح نے روپیہ لینے سے انکار کر دیا اور ہنستے ہوئے کہنے لگا' میرے آقا مجھے روپیہ دے چکے ہیں' آپ جائیں' خدا حافظ۔

قیصر میں لوگوں کی نگاہوں سے بچنا زیادہ مشکل نہ تھا' اس لئے کہ وہاں کے لوگ حجازی لباس دیکھنے کے عادی ہو گئے تھے۔

دوسری صبح ہم نے اسیوط کے دو ٹکٹ لئے اور ایک پرانی بس پر سوار ہو گئے یہ ہمارے سفر افریقہ کی پہلی منزل تھی' ہمارے پہلو میں ایک خوفناک حد تک لحیم شحیم عورت تھی جو اپنی گود میں مرغیوں کا ایک بڑا سا پنجرہ لئے ہوئے تھی' دوسری طرف ایک بوڑھا کسان تھا جس نے ہمارے لباس کو دیکھ کر اپنے دس سال پیشتر حج کی یادیں چھیڑ دیں اور وہاں کے واقعات سنانے لگا۔

میرا ہمیشہ سے خیال تھا کہ جب آدمی کسی غیر قانونی فعل کا مرتکب ہوتا ہے تو اس کے دل میں خواہ مخواہ کا چور پیدا ہو جاتا ہے اور وہ ہر شخص سے ملاقات کرتے ہوئے جھجکتا ہے' لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اس وقت یہ بات مجھے ذرا بھی محسوس نہیں ہوئی' شاید اس لئے کہ جزیرہ عرب میں گزشتہ چند سالوں میں میں وہاں کی زندگی کے ساتھ اس طرح گھل مل گیا تھا کہ میں اپنے آپ کو انہیں کے ایک فرد کے علاوہ کچھ اور تصور کرنے سے قاصر تھا اور اگرچہ میں نے اہل مکہ اور اہل مدینہ کی مخصوص طرز معاشرت اختیار نہیں کی تھی' لیکن اس گفتگو میں اس طرح شریک ہو گیا جیسے میں حج کا کوئی معلم یا وکیل ہوں اور حج کے فضائل بیان کرتا رہا' زید نے بھی گرمجوشی کے ساتھ گفتگو میں حصہ لیا' غرض سفر کے ابتدائی گھنٹے اس پر لطف مجلس میں گزرے۔

اسیوط میں ہم نے ٹرین پکڑی اور بنی سویف کے چھوٹے سے گاؤں میں پہنچے جہاں سے ہم سیدھے ان سنوسی سے ملنے گئے جن سے ہماری ملاقات پہلے سے طے تھی' ان کا نام اسماعیل الذہبی تھا' وہ پستہ قد اور موٹے آدمی تھے' ان کے چہرہ کے نقوش سے ان کی زندہ دلی اور خوش طبعی ظاہر تھی' وہ اہل صعید کی مقامی زبان میں گفتگو کر رہے تھے' اگرچہ وہ کپڑے کے ایک متوسط درجہ کے تاجر تھے' شہر کے رؤسا اور سربرآوردہ طبقہ میں ان کا شمار نہ تھا' لیکن سنوسی تحریک سے ان کی وفاداری اور وابستگی کا ثبوت بہت سے موقعوں پر مل چکا تھا' پھر تحریک کے اور سید احمد کے ساتھ ان کے ذاتی تعلق و محبت کی وجہ سے ان کو سید احمد سنوسی کا پورا اعتماد حاصل ہو گیا تھا' اگرچہ رات خاصی بیت چکی تھی' لیکن شیخ اسماعیل نے کھانا تیار کرنے کے لئے اپنے نوکر کو جگا دیا' اور کھانے کے انتظار کے دوران میں وہ اپنی ان تدبیروں کا ذکر کرتے رہے جو انہوں نے اس سلسلہ میں کی تھیں۔

سید احمد کا خط ملتے ہی پہلا کام انہوں نے یہ کیا کہ وہ مصر کے شاہی خاندان کے ایک ایسے فرد سے ملے جو برسوں سے سنوسی تحریک اور سنوسی مسئلہ کا پرجوش حامی تھا اور ان کو میری ذمہ داری اور مہم سے آگاہ کیا' چنانچہ وہ اس بات پر رضامند ہو گئے کہ جتنی رقم کی ضرورت ہو گی وہ مجھے دی جائے گی' اس کے علاوہ دو رہبر اس صحرائی سفر میں برقہ کی حدود تک میرے ساتھ رہیں گے' یہ دونوں رہبر ٹھیک اسی دوران گفتگو میں بنی سویف کے باہر کھجور کے باغ کے ایک گوشہ میں ہمارے منتظر تھے' اب ہم نے اور زید نے حجازی پوشاک اتار دی اس لئے وہ صحرا کے راستے میں راہ گیروں کو خواہ مخواہ ہماری طرف متوجہ کر سکتی تھی' اس کے بجائے دواونی عبائیں اور شمالی افریقہ میں مروج دو اور کپڑے پہن لئے۔ اس کے اوپر ''برنس'' ڈال لی جو مغربی مصر اور لیبیا کے باشندوں میں رائج ہے۔

اسماعیل اپنے گھر کے تہ خانے سے اٹلی کی بنی ہوئی دو بندوقیں لیتے آئے' اس قسم کی بندوقیں مجاہدین سے بقدر ضرورت بآسانی دستیاب ہو سکتی تھیں۔

دوسری رات ہم نے اپنے میزبان کی رہبری میں اس شہر سے چلنا شروع کیا' ہمیں یہ معلوم ہوا کہ ہمارے دو رہبر مصر کے ایک قبیلہ ''اولاد علی'' سے تعلق رکھتے ہیں جس میں سنوسی تحریک کے حامیوں کی بہت بڑی تعداد ہے' ان میں سے ایک کا نام عبداللہ تھا' یہ بہت چاق و چوبند' خوش ذوق اور مستعد نوجوان تھے' یہ ایک سال قبل برقہ کے معرکہ میں شریک تھے' اس لئے انہوں نے تفصیل سے وہاں کے معلومات اور حالات سے ہم کو آگاہ کیا جس سے واسطہ شاید ہم کو بھی پڑ سکتا تھا' دوسرے کا نام میں بھول گیا ہوں' وہ بہت نحیف' کم سخن اور سنجیدہ آدمی تھے' اگرچہ ذہانت اور ادائیگی فرض میں وہ عبداللہ سے کسی طرح کم نہ تھے۔ چاروں اونٹ جو ہم لوگوں کے ساتھ تھے بہت تیز رفتار تھے اور بہت اچھی نسل کے تھے' وہ اپنی پیٹھ پر اتنا سامان لادے ہوئے تھے' جیسا کہ جزیرۂ عرب میں رواج تھا' چونکہ ہم کو بہت تیز رفتاری کے ساتھ بڑھنا تھا اور راستہ میں کم سے کم توقف کرنا تھا' اس لئے تازہ پکے ہوئے کھانے کا سوال ہی نہیں تھا' ایک بڑی سی تھیلی جس میں تمام کھجور بھرے تھے' ایک اس سے کچھ چھوٹی تھیلی تھی جس میں گیہوں اور کھجور کے بسکٹ تھے' پانی کی تین مشکیں تھیں جو تین اونٹوں پر رکھی تھیں۔

نصف شب کے قریب اسماعیل نے رخصت ہوتے ہوئے ہم سے معانقہ کیا اور ہماری کامیابی کی دعا کی' گہرے تاثر کے آثار ان کے چہرے پر صاف نمایاں تھے' پھر عبداللہ آگے بڑھے اور ایک ہی لمحہ میں نخلستان ہمارے پیچھے چھوٹ چکا تھا' ہم چاند کی تیز روشنی میں اس صحرا کے اندر جو سنگ ریزوں سے بھرا ہوا تھا شمال مغرب کی طرف بڑھ رہے تھے' چونکہ اس کا بڑا خطرہ تھا کہ مصر کی سرحدی چوکی کی موٹریں اور اونٹ جیسا کہ اس صحرا میں آتی جاتی تھیں کہیں ہمارے قافلہ کے سامنے نہ آ جائیں' اس لئے ہم نے کوشش کی کہ حتی الامکان قافلوں کی عام شاہراہ سے ہٹ کر چلیں' پھر بھی چونکہ بحریہ اور وادیٔ نیل کے درمیان آمد و رفت بالعموم فیوم کے راستہ سے ہوتی تھی جو اقصائے شمال میں تھا' اس لئے بہت زیادہ خطرہ کی بات نہ تھی۔

روانگی کی پہلی رات کو ہم نے تقریباً 30 میل کا فاصلہ طے کر لیا' دن گزارنے کے لئے ''ٹمرس'' کے جنگل کے ایک جھنڈ میں ہم لوگ آرام کرنے کے لئے اتر گئے' دوسری رات اور اس کے بعد کی تمام راتوں میں ہم لوگوں کی رفتار بہت تیز رہی' چوتھے روز صبح سے قبل ہی ہم لوگ ترائی کے اس علاقہ میں پہنچے جہاں بحریہ کا نخلستان واقع تھا۔

جب ہم اس نخلستان کے باہر چند بڑی بڑی چٹانوں کی آڑ میں چھپے ہوئے تھے (جو متفرق خانقاہوں اور بستیوں پر مشتمل تھا جس میں سب سے اہم گاؤں بادیتی تھا) تو عبداللہ پتھریلے ڈھلوان راستہ سے نشیبی علاقہ کی طرف اترے جو کھجور کے درختوں سے ڈھکا ہوا تھا' وہ اس آدمی سے رابطہ قائم کرنے جا رہے تھے جن سے ہم کو ''بادیتی'' میں ملنا تھا' چونکہ رات سے پہلے ان کا آنا ممکن نہ تھا اس لئے ہم لوگ اس پُر مشقت سفر کے بعد کچھ دیر آرام کرنے اور سونے کے لئے لیٹ گئے' اگرچہ مجھے نیند نہیں آ سکی اور مختلف قسم کے افکار و خیالات میرے دماغ کو برابر پریشان کرتے رہے۔

جب میں نے اپنی اسکیم پر غور کیا تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ بنی یوسف اور بحریہ کے درمیان خفیہ طریقہ پر مواصلات کا سلسلہ قائم رکھنا کچھ زیادہ مشکل بات نہیں ہے' یہاں تک کہ بڑے بڑے قافلے ان دونوں مرکزوں کے درمیان (اگر احتیاط سے کام لیا جاتا) گزر سکتے تھے اگرچہ بادیتی میں سرحدی چوکی موجود تھی اور ہمیں اپنی اس خفیہ اقامت گاہ سے اس کی سفید عمارتیں نظر آ رہی تھی' پھر بھی ایک خفیہ اور گشتی ٹرانسمیٹر کا بحریہ کے جنوب میں انتظام کیا جا سکتا تھا' یہ پوائنٹ اس وقت اور زیادہ واضح ہو گیا' جب عبداللہ اور اس بربری شخص سے ملاقات ہوئی جو ان کی معیت میں آئے تھے' ان سے معلوم ہوا کہ فوج اس نخلستان کی پوری نگرانی نہیں کرتی' اس سے زیادہ اہم بات یہ تھی کہ وہاں کے باشندے سنوسی تحریک کے پرجوش حامی تھے۔

اب پانچ راتوں کا پھر مسلسل سفر تھا' پہلے تو سنگ ریزوں سے بھرا ہوا میدان پتھریلی اور دشوار گزار گھاٹیاں' اس کی بعد ریتلے ٹیلے پھر ''سترہ'' کا سبزہ زار جو آبادی سے بالکل خالی تھا' نیلے رنگ کی نمکین پانی کی جھیل تھی اور جنگلی کھجور کے جھنڈ' اس کے نیچے اتر کر عجیب عجیب شکلوں کی کچھ چٹانیں تھیں جو چاند کی روشنی میں ایسی لگ رہی تھیں جیسے بھوت پریت ہوں۔

پانچویں رات کے اختتام پر ہماری نظر نخلستان سیوہ پر پڑی' سالہا سال سے میری شدید خواہش تھی کہ میں اس دور دراز نخلستان کی سیاحت کروں جہاں کسی زمانے میں ''آمون'' کا مشہور معبد تھا' جس کی وجہ سے وہ پوری دنیا میں مشہور ہے' لیکن میری یہ خواہش کسی وجہ سے کبھی پوری نہ ہو سکی' لیکن یہ خواہش اب میرے لئے بالکل قریب کی چیز تھی' میری دسترس میں تھی' کھجوروں کے درختوں کے اندر ایک چھپا ہوا ٹیلہ تھا جس پر شہر کے مکان ایستادہ تھے تہ بہ تہ۔ مخروطی شکل کا ایک اونچا مینارہ تھا جو ٹیلے کی چوٹی پر قائم تھا' مٹی کے مکانات کا وہ عجیب و غریب مجموعہ تھا اس قسم کا جیسے کوئی خواب میں دیکھ رہا ہو' مجھے شدید تقاضا ہوا کہ میں اس کی حدود میں داخل ہوں اور اس کی گلیوں میں گھوموں جنہوں نے فراعنہ کا زمانہ دیکھا ہے' معبد کے اس بچے کھچے آثار کا معائنہ کروں جہاں لیڈیا کے بادشاہ کروسس نے وہ الہام سنا تھا جس نے ان کی زندگی کا خاتمہ کر دیا تھا اور جس میں اسکندر مقدونی سے دنیا کو فتح کرنے کا وعدہ کیا گیا تھا۔

لیکن اس کے باوجود بھی میرا یہ شوق پورا نہ ہو سکا' اگرچہ میں سیوہ سے بالکل قریب تھا' لیکن اس کے دروازے میرے لئے بند تھے' خارجی دنیا سے بالکل منقطع غیر آباد اور سنسان جگہ میں جانا موجودہ حالات میں ایک نامناسب فعل تھا' اس کی وجہ یہ تھی کہ سیوہ چونکہ لیبیا کی سرحد کے قریب واقع تھا' اس لئے سرحدی چوکی کی سخت نگرانی اور کنٹرول میں تھا' اس میں اٹلی کی طرف سے جاسوس اور مخبرین بھی مقرر تھے جن کو حکومت سے روپیہ ملتا تھا' میں نے اپنے دل کو تسلی دی کہ شاید اس سفر میں اس کی سیاحت میرے مقدور میں نہ تھی چنانچہ شہر کا جنوب کی طرف سے ایک چکر کاٹ کر ہم لوگ جنگلی کھجوروں کے جھنڈ میں آ گئے لیکن عبداللہ کچھ بھی آرام کئے بغیر (اس لئے کہ سرحد سے اتنا قریب ہم لوگ ضرورت سے زائد ٹھہرنا مناسب نہیں سمجھتے تھے) قریب کے چھوٹے گاؤں کی طرف چل پڑے' ان کو اس شخص کی تلاش تھی جس کو سید احمد نے اس پر مقرر کیا تھا کہ اس سرحد کے پار ہماری رفاقت و رہبری کرے' چند گھنٹوں کے بعد وہ نئے رہبر اور چار اونٹ لے کر آ گیا' اس لئے کہ یہ چار اونٹ بہت تھک چکے تھے' یہ دونوں رہبر جبل اخضر کے قبیلہ براعصہ اور عمر المختار کے لوگوں میں سے تھے' ان کو خاص طور پر اس لئے بھیجا گیا تھا تاکہ جغبوب اور جالو کے درمیان (جن پر اٹلی کا قبضہ تھا) جو خلا ہے وہاں سے برقہ کے بالائی حصہ تک جہاں عمر مختار کا مرکز ہے' ہماری رہنمائی کریں۔

ہم نے عبداللہ اور اس کے ساتھی کو رخصت کر دیا تاکہ وہ مصر اپنے گاؤں لوٹ جائیں اور خلیل اور عبدالرحمٰن کی رہنمائی میں ہم نے اس طویل و عریض صحرا کا سفر شروع کیا جو قریب قریب پانی سے خالی تھا اور جبل اخضر کے قریب ہوتے ہوئے تھوڑا تھوڑا بلند ہوتا جاتا تھا' یہ صحرائی سفر اب تک کے تمام سفروں سے کہیں زائد پُر مشقت تھا' وہاں کنویں اتنے طویل طویل فاصلے پر تھے کہ انہوں نے ہمارے اس سفر کا بوس اور ایک بھیانک خواب سا بنا دیا تھا' اس پورے سفر میں ہم صرف ایک بار وادیٔ مرہ کے ایک دور افتادہ کنویں سے اپنے اونٹوں کو پانی پلانے اور اپنی مشکیں بھرنے میں کامیاب ہو سکے۔

دعائے مغفرت

کراچی کے رفیق تنظیم و نقیب اُسرہ محمد فرید الدین صاحب کی والدہ محترمہ انتقال کر گئی ہیں۔ قارئین ندائے خلافت سے ان کے حق میں دعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

their various potential allies and protégés really are; and what the broader consequences of advancing their respective agendas are likely to be. A mixed approach composed of the following elements is likely to be the most effective:

• Support the real but emerging mainstream first:

— Publish and distribute their works.

— Encourage them and financially support them in distribution of their work.

— Do further research on the links they expose, the points they raise and the threads they unveil.

— Introduce the facts they dig out to local audience who have no access to internet.

— Give them a public platform.

— Make their findings and judgments on fundamental questions available to a mass audience in competition with those of the so-called mainstream so that the world could see that a few web-bloggers, without having funds to the amount of the New York Times or Washington Post, had been saying from day one that all claims about Iraq's WMD are pure lies, whereas the NY Times came out to admit its biased reports after the damage was done and the US was already knee deep in the Iraqi blood.

• Support the liberals against the so-called liberals:

— Publicize liberals, such as Maureen Dowd criticism of the so-called liberals' violent and extremist views, and encourage disagreements between these;

— Discourage alliances between liberals and the so-called liberals.

— Encourage cooperation between liberals and the independent researchers who are bent upon exposing the roots of tyranny in the US culture and government's system.

— Where appropriate, educate the liberals to equip them better for debates against the so-called liberals and neo-cons who are often rhetorically superior, while liberals practice a "politically correct" approach of criticizing the war lords, yet hesitating to ask the real questions that would expose American emperor's feet of clay.

— Discriminate between different sectors of liberalism. Encourage those with a greater respect for justice and international law.

• Confront and oppose the neo-cons and their allies:

— Challenge their myths about Islam and expose inaccuracies.

— Reveal their linkages to terrorist activities, particularly how their views help make an environment which is conducive for taking the most criminal acts, such as invading Iraq and Afghanistan on the basis of nothing but lies.

— Publicize the consequences of their extremist views.

— Demonstrate their inability to rule, to export freedom and democracy to other lands, or to win heart and minds of the oppressed people.

— Address these messages especially to Americans, to pious liberal but naive populations

— Avoid showing respect or admiration for the violent feats of the American "intellectual," military and political war lords.

— Encourage journalists to investigate issues of corruption, hypocrisy, police state approach and immorality in neo-cons circles.

— Encourage divisions among neo-cons and between neo-cons and neo-mods.

اعتکاف کے دوران

"تفہیم دین کورس"

درج ذیل عنوانات کے تحت

☆ رمضان ☆ اعتکاف کے مسائل ☆ راہ نجات

☆ مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق ☆ فکر آخرت

☆ فرائض دینی کا جامع تصور ☆ ایمان اور اس کے ثمرات ☆ نبی اکرم ﷺ سے تعلق کی بنیادیں

☆ نبی اکرم ﷺ کا طریق انقلاب

روزانہ ظہر تا عصر

ان شاء اللہ لاہور کی دو مساجد میں منعقد ہوگا

1- مسجد بدر السلام بی بلاک سبزہ زار

2- جامع مسجد بنت کعبہ 866۔این پونچھ روڈ سمن آباد نزد ہری کوٹھی سٹاپ

زیر اہتمام: تنظیم اسلامی لاہور جنوبی

رجوع الی القرآن کورس (برائے خواتین)

بمقام: مرکزی دفتر تنظیم اسلامی، 67۔اے علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو لاہور

میں داخلے کیلئے خواتین وطالبات سے درخواستیں مطلوب ہیں

☆ ایسی خواتین وطالبات جو ایف اے کر چکی ہوں رجوع کریں۔

☆ کورس کے مضامین حسب ذیل ہیں۔

- ترجمہ وتفسیر قرآن
- قرآن مجید کا منتخب نصاب
- علم الحدیث ومطالعہ حدیث
- عربی گرائمر
- قوائد تجوید
- لٹریچر
- منفرد لیکچرز (مختلف موضوعات)

☆ کورس کا دورانیہ: 6 ماہ (یکم دسمبر 04ء تا 30 مئی 2005ء)

☆ کورس کے اوقات کار: صبح 9 بجے تا دوپہر 1 بجے

☆ دن: پیر، منگل، بدھ، جمعرات

زیر اہتمام: تنظیم اسلامی حلقہ خواتین لاہور شمالی

فون برائے رابطہ: 6304338,6652029, 0300-4431707

friendly to real democracy, freedom and human rights. However, correctly identifying these elements is not as difficult as finding the most suitable way to cooperate with them because anything that goes against the official theories and stories from Washington has become plain terrorism or sympathy with terrorists. Speaking truth and digging out facts is gradually becoming a crime.

The United States' current crisis has two main components: a failure of the faulty governing system to thrive further and a loss of connection to the global mainstream because international laws are becoming hurdles to the adventurism of those who thrive in the system that inherited some seeds of tyranny.

The US has ratified less than 30% of its international agreements. Over the years, the US has ratified only 14 out of 162 "active treaties", put together by the International Labour Organisation and only two of the eight "core" UN conventions protecting the rights of workers, according to a recent study by Institute for Agriculture and Trade Policy in Washington. It has approved just three of 11 major environmental treaties, five out of the 12 human rights treaties promoted by the UN High Commissioner for Human Rights, and about half of the 23 treaties regulating intellectual property rights and related technologies.

As for the 10 treaties managed by the Food and Agriculture Organisation, the US senate has ratified only six of them. The retreat from the UN-sponsored system of international law makes it much harder for the White House to take the moral high ground. Speaking to journalists on September 29m 2004, the institute's vice-president Kristin Dawkins said less than 30% of laws already agreed with the UN had become law, despite pledges made by the White House.

The reason for such arrogant and unilateral approach is that the United States has been marked by a long period of strength and comparatively unchallenged power. The United States has a military presence in approximately 140 countries around the world. It decides when to by pass the UN and if and how AIDS drugs will be administered in Africa. It pushes for the privatization of energy in India while shaping land reform in Tajikistan. Just like the US's unchallenged powers, its president's power is also dramatic and sweeping.

Challenges posed by many researchers and political figures from alternative parties get compounded with the inherent weaknesses of the system and the strength of those who have exploited these weaknesses. With the increasing public awareness about the system that consolidates two party dictatorship and entrenched interests of the corporate world is leading to frustration and anger in the camp of ruling elite. Islam is proved to be a good scapegoat for diverting attention from the internal disorder and creeping tyranny towards a new enemy of choice.

The use of Roman tactic on global scale for diverting public attention from the real usurpation of power by the ruling class forced the US to fell out of step with contemporary global law abiding culture, an uncomfortable situation for both sides. American public remained oblivious to the global opinion for too long. [3] Very few cared about the US is setting new records in researching and building weapons. [4] Time is however fast changing. Americans have started to seriously disagree on what to do about this, and they disagree on what their society and governing mechanism ultimately should look like.

We can distinguish two essential categories:

• PSEUDO MAINSTREAM (driven by corporations, Zionists and ruling elite): Backed by the gun power and historical legitimacy, this category has the monopoly of governing system, media and corporate world. It rejects real democratic values at home, at the UN and abroad. It believes in the strongman approach which can help keep the weak in order. It rejects any ideology or religion that presents an alternative governing mechanism. That's why Islam became an easy target as it claims it has the potential to develop an alternative social, political and economic order.

Most of the members in this category have huge stakes involved in the survival of the present system in the US. That's why they will never see the truth about 9/11, for example, no matter how much clearly they see the evidence about it captured by the camera of their own "mainstream" media.

Most of the Neo-cons are behind this category to see an authoritarian, puritanical state that will implement their extreme views and make the second coming of Jesus according to the way they want to see. Zionist elements behind and within this category extend their support because they clearly see a Greater Israel in the making. If the US sinks to the bottom rock in the process, they are the least worry for it.

• REAL MAINSTREAM (with no gun or dollar power but armed with the power of undeniable facts): This category is comprised of independent Americans who want the US to become a real responsive democracy that caters to the need of people from every population group at home and a part of global justice and equal opportunity. They are busy in exploring and propagating facts to let rest of the Americans realize how they have come to live in a garrison state and how there is no one but those with entrenched interest in the present set up of government behind almost all the terrorist acts committed on the US soil — particularly since the demise of the former enemy, the Soviet Union.

These groups hold distinctly different positions on essential issues that have become contentious in the United States today, including political and individual freedom, education, the truth about 9/11, status of the corporate firms, criminal justice, effectiveness of the present governing mechanism, the legitimacy of the federal writ over states, and attitudes toward the United Nations and the Muslim world.

The pseudo-mainstream is diplomatically neutral but actually hostile to the Muslim World and those who want the US to act more rationally and justly. Some liberals in the mainstream media, such as Mona Chern of the New York Times generally hold more moderate views, but there are significant differences between different groups of liberals. Some are close to the neo-cons and present themselves as unbiased neutral analysts, such as Thomas Friedman. None wholeheartedly embraces the concept of allowing Muslims to live by Islam or to go for, at least, discussing the facts unearthed by the independent researchers regarding fatal flaws in the US governing system and monopoly of the elite; let alone dissecting official lies surrounding the US government's hand in the 9/11.

Independent organizations, such as the Freedom of Future Foundation, and weblogers such Information Clearing House and www.WhatreallyHappened.com are becoming the real-mainstream. The individuals behind them are closest to the world in terms of values and policies they want to prevail. However, they are generally in a weaker position than the pseudo-mainstream media and groups, lacking powerful backing, financial resources, an effective infrastructure, and a public platform.

To encourage positive change in the United States toward real democracy, policies based on justice, and compatibility with the international norms and laws, the rest of the world needs to consider very carefully which elements, trends, and forces within the US it intends to approach for a clear picture of the real situation; what the goals and values of

Vol: 13 Regd. No. LRL -50 No. 42

Weekly Nida-e-Khilafat Lahore

View Point

Abid Ullah Jan
(e-mail: abidjan@tanzeem.org)

The war within America.I

Abstract

The more powerful the United States becomes, the more frightened the Americans are. Why is that?

The reason is that those who are busy in making the US strong by promoting war abroad are the ones who are keeping the nation frightened to keep themselves in power and to keep the systems alive that, in turn, sustain them in power. Without keeping them frightened without promoting a "war within Islam,"[1] the people at the helm of affairs in the US cannot hijack democracy and usurp their freedom and money.

There have been voices about the creeping tyranny in the US since long. However, 9/11 redoubled the reaction as at this point chicanery and deceit crossed all limits. The US is now fully involved in a struggle to determine its own nature and values, with serious implications for the Muslim world in particular and the rest of the world in general. What role can its victims, threatened and affected as they are by its struggle, play in bringing about a more peaceful and positive outcome of the war within America? Devising a judicious approach requires a finely grained understanding of the ideologues from Bush and his team members to a whole range of Neo-cons in the US who criticize Muslims of blindly following some medieval myths are themselves neck deep in blood of thousands of innocent beings just for their inner belief of paving the way for the second coming of Jesus.

Such an understanding would help the rest of the world in identifying appropriate partners and set realistic goals and means to discourage further evolution of this blood thirsty ideology of hate.

The rest of the world has three goals in regard to militarized United States in the hands of benighted war lords. First it wants to prevent the spread of occupations, extremism, human rights abuses and violence. Second, in doing so, it needs to avoid the impression that the rest of the world "hates Americans and their freedom." And third, in the longer run, it must help the Americans find ways to help address the deeper causes and malfunctioning of their political system that brings such people to the top who played a historical role in promoting many monsters from Hitler to Saddam and who continue to do so in other parts of the world. The world needs to help the Americans understand causes that glorify militant radicalism and to encourage a move toward real democratization.

The stark contrast in what appears on the so-called mainstream media and what the whole world watches on the weblogs shows the extent of conflicts that mark the present day United States. And the stark difference in the way the reality is projected on both sides of the divide makes the picture more confusing. It becomes easier to sort the actors if one thinks of them not as falling along a spectrum but as belonging to two distinct categories. One that proves that the US system and resources have been exploited by a few elite and the other being the alleged elite itself ignores all the facts that are being unearthed with increasing frequency.

It is then possible to see which category is more concerned about freedom at home and abroad, democracy and equal rights and lies and deceptions perpetrated as means to justify megalomaniac designs of shaping the world in the image of a few globalist totalitarians. On the basis of such analysis it would not be difficult for victims to identify components of a specific strategy to deal with the war within America to which New York Times referred on October 17, but covered only a fraction of it.[2]

Notes

[1] The New York Times and its Chief Foreign Affairs Correspondent, Thomas Friedman are the lead promoters of a "war within Islam."

[2] Ron Suskind, "Without a Doubt," the New York Times, October 17, 2004.[3] See BBC Poll published April 09, 2004

Summary:

There is no question that contemporary United States is in a volatile state, engaged in an internal and external struggle over its values, its identity, and its place in the world. These comments are generally made about Islam. However, it is easy to understand irrelevancy of this argument with the help of an analogy. If there is a small village and extremely powerful bandits from outside come and occupy some household in this small community and make some collaborators in other houses in charge of their respective households. It is possible for the people living in the chaotic world, occupied by outsiders — following the might is right approach — to present rival versions for spiritual and political dominance of all surrounding communities?

The answer is very clear: Those who have been oppressed by repeated colonial adventures in the name of making them civilized human beings, do not have time to think of dominating the world or enter a debate over its values, identity and place. Their first priority is to somehow see an end to the never ending interferences and occupations by the outsiders.

The real "conflict within" is on in the US which has serious costs and economic, social, political, and security implications for the rest of the world. Consequently, the World is making an increased effort to come to terms with, to understand, and to influence the outcome of this struggle the Americans are engaged in, particularly in an environment where the change of President at the top hardly matters. The more the guards at the top change, the more malfunctioning of the system consolidates. The more freedom the people lose and the more vested interests get entrenched.

Clearly, the Muslim world, the target of the colonial adventurists' deadly interferences since long, and indeed the international community as a whole would prefer an America that is compatible with the rest of the system: really democratic at home as well as at the UN, economically contended on its own and the available resources, politically mature, socially prudent — not eager to impose its way of life on the rest of the world — and follows the rules and norms of international conduct.

They also want to prevent global domination by the US in the name of a "clash of civilizations" theory promoted by its totalitarian ideologues. The world wants an end to "clash of civilization" in all of its possible variants — from increased domestic unrest caused by racial profiling at home to increased militancy and the use of terror for dominating the Muslim world and its consequences, instability and terrorism.

It therefore seems judicious to support the elements within the US that are most compatible with global peace and the international community and that are